

جلد ۶۹ مارجب المرجب مطابقی ماہ اپریل ۱۹۵۲ء عدد ۴

## مضامین

شذرات شاہ معین الدین احمد ندوی ۲۴۲-۲۴۴

## مقالات

یونانی فلسفہ کے تاریخی مآخذ مولانا عبد السلام ندوی ۲۴۵-۲۵۰

اسلام اور ہندو مذہب کی بعض مشترک تعلیمات مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ۲۵۰-۲۵۳

قائم چاند پوری اور ان کا کلام جناب محمد علی خان صاحب آثر رام پوری ۲۵۳-۲۹۰

روحانی دنیا جناب مولوی عبد الماجد صاحب ہشت ۲۹۰-۳۰۰

ڈاکٹر اسلاک اسٹیز بہار پٹنہ

مرزا منظر جان جان کی دو غزلین جناب پروفیسر عطاء الرحمن صاحب ۳۰۰-۳۱۶

کاکوی

مطبوعات جدیدہ ۳۱۶-۳۲۰

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

درسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لغو عام فہم اور سادہ زبان میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

نفاخت ۲۰۰ صفحہ قیمت :- مجلد عام غیر مجلد ۱۰۰ (طبع پنجم) "پنچر"

## مجلس ادارہ

(۱) جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی، صدر

(۲) جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، رکن

(۳) جناب ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی،

(۴) جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

(۵) شاہ معین الدین احمد ندوی،

(۶) سید صباح الدین عبد الرحمن ایم اے، شریکِ مقرب



## شذرات

مشرقی بنگال میں اردو اور بنگالی کے مسئلہ نے جو افسوسناک شکل اختیار کر لی ہے، وہ پاکستان کے قومی و ملی مفاد کے لئے سخت مضر ہے، اس لئے خوش اسلوبی اور باہمی اعتماد اور داد داری کے ساتھ اس کا خاتمہ ضروری ہے، بنگالی زبان کی صوبائی اہمیت مسلم ہے، اس کو باقی رکھنا اور ترقی دینا حکومت کا فرض ہے، مگر مرکزی حکومت کی زبان ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے، خود ہندوستان میں جہاں رجحان زبانیں بولی جاتی ہیں اہل ان میں سے بہتری ترقی یافتہ بھی ہیں، سرکاری زبان ایک ہی ہے، اس لئے اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ بالکل نرالا ہے، اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر پنجاب، سندھ، پشتون اور بلوچ نے کیا تصور کیا ہے کہ ان کو اس سے محروم رکھا جائے؟

..... (۰۰۰) (۰۰۰) (۰۰۰) .....

بنگالی زبان کی حمایت میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ پاکستان کی آبادی کے بڑے حصہ کی زبان ہے، اس کی تمام زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور اردو پاکستان کے کسی صوبہ کی مادری زبان نہیں ہے، مگر ان میں سے ایک دیں بھی قومی نہیں ہے، اور لاشرقی پاکستان کے کل باشندے اردو کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ وہاں اس کے حامیوں کی بھی خاصی تعداد موجود ہے، اور مغربی پاکستان تو پورے کا پورا اردو کی حمایت میں ہے، اور اگر بالفرض مشرقی پاکستان کی آواز متفقہ بھی ہوتی، تو بھی ایسے اہم مسائل کا فیصلہ جس کا اثر قوم و ملک کے مستقبل پر پڑتا ہے کسی صوبہ کی عددی اکثریت سے نہیں، بلکہ ملی مفاد کے نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے، اگر آج مشرقی اور مغربی بنگال کے باشندے مرکز سے آزادی کا فیصلہ کر لیں جیسا کہ کبھی کبھی ہندو بنگالی کی آواز سننے میں آتی ہے تو اس کو ہندوستان مان سکتا ہے اور نہ پاکستان،

..... (۰۰۰) (۰۰۰) (۰۰۰) .....

مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے مقابلہ میں صرف ایک امتیاز یعنی عددی اکثریت حاصل ہے، لیکن

مغربی پاکستان کو اس کے مقابلہ میں بہت سے امتیازات حاصل ہیں، وہ ہر حیثیت سے اس سے زیادہ اہم اور ترقی یافتہ ہے، بلکہ مشرقی پاکستان کا وجود ہی مغربی پاکستان سے وابستہ ہے اس لئے اس کی آواز کو کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے، یہ صحیح ہے، کہ بنگالی پاکستان کی تمام صوبائی زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، لیکن پاکستان کے قومی و ملی نقطہ نظر سے اس کو اردو کو کوئی نسبت نہیں، اردو اسلامی علوم و فنون اور اسلامی کلچر کے اثرات سے لایا اور بنگالی اس سے خالی ہے جس کی مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ اردو پاکستان کے کسی صوبہ کی مادری زبان نہیں ہے مگر وہ بنگال کے علاوہ پاکستان کے تمام صوبوں کے مذہب اور تعلیم یافتہ طبقہ کی علمی و تہذیبی زبان ہے، پنجاب تو عرصہ سے اردو کا مرکز ہے، ادب کراچی بھی بن رہا ہے، اور پاکستان کے تمام صوبوں میں سمجھی اور بڑی بڑی شہر میں بولی بھی جاتی ہے پاکستان کی اور تمام زبانیں صوبوں کے اندر محدود ہیں، اس لئے اردو ہی پاکستان کی سرکاری اور مشترک زبان ہو سکتی ہے، خود ہندوستان کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، جہاں ایک ایسی زبان کو سرکاری زبان بنایا گیا ہے جو کسی صوبہ کی مادری زبان نہیں ہے، اور نہ ابھی تک سمجھی اور بولی جاتی ہے، خود انگریزی ہندوستان کے کس خطہ کی زبان تھی جس کا بنگالیوں نے سب سے پہلے استقبال کیا تھا، ایسی حالت میں اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

..... (۰۰۰) (۰۰۰) (۰۰۰) .....

ان باتوں سے قطع نظر اردو کا مسئلہ پاکستان خصوصاً مشرقی بنگال کے لئے لسانی سے زیادہ تمدنی اور سیاسی اہمیت رکھتا ہے، اس کے بغیر پاکستان کے صوبوں میں قومی وحدت اور تہذیبی یکجہی قائم نہیں ہو سکتی، یہ مسلم ہے کہ مشرقی بنگال کے مسلمان ہندوستان اور پاکستان کے تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ پس ماندہ اسلامی کلچر سے نا آشنا اور عام اسلامی برادری سے بالکل الگ اور اس سے بالکل مختلف ہیں، بلکہ ان کے مقابلہ میں ہندوستان اور پاکستان کے بعض صوبوں کے ہندو مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں، اس کا سبب مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی تہذیبی بے مائیگی ہے، جس کے حصول کا ذریعہ صرف اردو زبان ہے، ہندوستان اور پاکستان کی تمام زبانوں میں اسلامی کلچر کے سب سے زیادہ اثرات اور اسلامی علوم و فنون کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو ہی میں ہے، اور ان دونوں ملکوں کے مسلمانوں کے لئے اس کی وہی حیثیت ہے، جو دنیا سے اسلام کے لئے عربی کی ہے، اس لئے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کی اسلامی تعلیم و تربیت، تہذیبی ترقی اور دوسرے مسلمانوں سے ان کی قربت اور ہمہنگی کے لئے اردو نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ نہ اسلامی



اس حقیقت کو بنگال کے ہوشمند اور صاحب بصیرت طبقہ نے قیام پاکستان سے برسوں پہلے جب عالم خیال میں بھی اس کا وجود نہ تھا محسوس کر لیا تھا، اور سرکاری طور پر بنگالی مسلمانوں کی اردو کی تعلیم کی کوشش شروع کر دی تھی، اس کی مفصل روداد بدرالدین احمد صاحب اسٹنٹ انسپکٹر آن اسکولز محمدن ایجوکیشن پریسیڈنسی ڈویژن بنگال نے مشرقی بنگال کے لئے فوری خطرہ کے نام سے لکھی تھی، جس کا ترجمہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے اخبار قومی زبان ..... کے کئی نمبروں میں شائع ہو چکا ہے، اس میں مشرقی بنگال کے مسلمانوں کی اردو کی تعلیم کی اہمیت کے مسئلہ پر نہایت مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں جو کوششیں کی گئی ہیں، ان سب کی پوری تفصیل درج ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو مشرقی پاکستان کے لئے علمی مذہبی، اور کچل حیثیت سے کس درجہ ضروری ہے،

اردو سے بنگالی زبان کو نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، کیونکہ صوبہ کی سرکاری و تعلیمی زبان تو ہر حال بنگالی رہے گی، اس لئے اسکی صوبائی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آسکتا، بلکہ اردو کے اثر و بنگالی زبان میں اضافہ و وسعت اور لطافت پیدا ہوگی اور بنگالی کے اثر سے اردو اس سے قریب تر ہوتی جائے گی، کچھ دنوں میں بنگال میں اردو زبان ایک نیا روپ اختیار کرے گی جس میں بنگالی زبان کے بھی اثرات ہوں گے اس لئے اردو سے بنگالی زبان کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، بلکہ اس میں اور زیادہ وسعت و ترقی ہوگی، اس لئے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو اس مسئلہ پر محدود صوبائی نقطہ نظر کے بجائے وسیع قومی و ملی نقطہ نظر سے غور کرنا چاہئے

مارچ کی آخری تاریخوں میں مولانا عبدالمجید صاحب دریا بادی صدر مجلس کارکن مجلس مذکور کے جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، دو دن بہت پر لطافت علمی صحبت رہی، اور موصوفت نے رفقا، کو مفید علمی مشورون سے سرفراز فرمایا، گذشتہ مہینہ کے شذرات میں مولانا کی جس تفسیر کا ذکر کیا گیا تھا، ہندوستان میں اس کے لئے کا پتہ دفتر صدق جہ پکیری روڈ لکھنؤ ہے،

# مقالہ

## یونانی فلسفہ کے تاریخی مآخذ

از

مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ندوی

قدیم زمانہ میں علوم و فنون کی تاریخ لکھنے کا یہ طریقہ نہ تھا کہ ہر علم کی ابتدا، نشو و نما، ترقی اور منزل کے مختلف درجہ قائم کئے جائیں، اور ان کے تغیرات و اثرات اور خصوصیات الگ الگ دکھلائے جائیں، بلکہ عام طریقہ یہ تھا کہ ہر فن کے علما و مصنفین کے حالات لکھے جاتے تھے، اور انہی حالات کے ضمن میں ان کے مسائل و اجتہادات بھی ضمنی طور پر آجاتے تھے، اب اگر کوئی شخص اس فن کی تاریخ لکھنا چاہے، تو اس کو نہایت بڑی اور وسعت نظر کے ساتھ ان علما و مصنفین کے حالات سے ان ضمنی مسائل و اجتہادات کو چن کر اس فن کی تاریخ مرتب کرے، اس غرض سے مسلمانوں نے فن تذکرہ و اسماء الرجال کو ایجاد کیا اذاسمیں اسقدر وسعت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اس فن میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، محدثین، فقہاء، متکلمین، مفسرین، شعراء و ادباء غرض اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جو جن کے حالات میں بہ کثرت کتابیں نہ لکھی گئی ہوں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تصنیفات کا محرک زیادہ تر لٹریچر و مذہب، اور قومیت کا جذبہ تھا، اس لئے جو علوم لٹریچر، مذہب اور قومیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، ان کے خد متکذاردن کے حالات کی طرف بہت کم توجہ کی گئی، اور حکما و فلاسفہ کے حالات میں بہت کم کتابیں لکھی گئیں، کیونکہ اولاً تو فلسفہ و حکمت کو لٹریچر، مذہب



اور قومیت کوئی تعلق نہ تھا، دوسرے یونانیوں کے علاوہ حکما و فلاسفہ کے گروہ میں زیادہ تر عیسائی ہو گئے، اور صابی مذہب کے لوگ شامل تھے، اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو قومی اور مذہبی حیثیت سے ان کے حالات و اجتماعات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے اسلامی تاریخ میں دوسرے فنون کے اصحاب کمال کے مقابلہ میں حکما و فلاسفہ کے حالات میں کم کتابیں لکھی گئیں، تاہم مسلمانوں کے ہمد گیر علمی ذوق سے یہ طبقہ بھی محروم نہیں رہا، البتہ جو کتابیں لکھی گئیں، ان کو فلسفہ کی تاریخ اور فلسفہ کے مسائل سے بہت کم تعلق تھا، غالباً سب سے پہلے حکما و فلاسفہ کے حالات میں ابوداؤد سلیمان بن حسان بن مجمل نے جو چوتھی صدی میں اندلس کا ایک مشہور طبیب تھا، ایک مختصر سی کتاب لکھی جس کی نسبت قفطی نے لکھا ہے کہ

اس کو قدما کے علوم و اخبار سے واقفیت تھی، اور اس نے حکما کی تاریخ میں ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، جو نہایت ناکافی اور تشنہ ہے، لیکن بایں ہمہ جو کچھ لکھا ہے، اچھا لکھا ہے۔

اس کے بعد پانچویں اور چھٹی صدی میں اس کو اور زیادہ ترقی ہوئی، اور قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد ابن صاعد الاندلسی المتوفی ۳۶۲ھ اور امیر عبدلکریم شہرستانی المتوفی ۴۵۵ھ نے حکما کے حالات میں مستقل کتابیں لکھیں، صاحب کشف الظنون نے قاضی صاعد کی کتاب کا نام ایک موقع پر صنوان الحکمة اور دوسرے موقع پر صنوان الحکم بتایا ہے، پھر دوسرے موقع پر صنوان الحکمة کے متعلق لکھا ہے کہ

یہ ابو جعفر بن بویہ شامی و سجستان کی تصنیف ہے، جس کا ذکر شہر زوری نے تاریخ الحکما میں کیا ہے، شہر زوری نے ابو جعفر بن بویہ ملک سجستان کا نہایت مفصل تذکرہ لکھا ہے،

لیکن اوس کی اس کتاب کا نام اوس نے کہیں نہیں لیا ہے، تاہم اوس نے اوس کے جو حالات لکھے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکما سے یونان کے حالات و نظریات کا نہایت

شیدائی تھا، اور انہی کی روش کے مطابق حکومت کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس کو یونانیوں کا کلام،

لے اخبار الحکما قفطی ص ۱۳۰ لے کشف الظنون جلد ۲ ص ۸۱ و ص ۸۲ لے ایضاً جلد ۲ ص ۸۱

ان کے نوادہ اور ان کے حالات اس قدر یاد تھے، جو اور کسی کو یاد نہ تھے، وہ کہا کرتا تھا کہ یہ وہ سونے کے ڈے ہیں، جو اب تک ڈھائے نہیں گئے ہیں، اوس کو یونانیوں کے دھات بہت پسند تھے، اور کہا کرتا تھا کہ جس قوم کی ظرافت اور خوش طبعی کا یہ حال ہے تو اس کے سنجیدہ کلام کا کیا حال ہوگا؟ اوس کو وہ تمام فقرے یاد تھے، جو ارسطو نے سیاست کے متعلق اسکند کو لکھے تھے، یا زبانی کہے تھے، اور کہتا تھا کہ اب یہ زمانہ گزر گیا، اور لوگ عقل، مذہب، اور اخلاق سے بالکل تہی دامن ہو گئے، اور اس کا علاج تموار کے سوا کچھ نہیں، اس کے بعد اس کے بعض فلسفیانہ نکات بیان کئے ہیں، اور اس کے درباری حکمائے اُس کے یہ فضائل بیان کئے ہیں کہ حکمت کے راستوں کے بند ہو جانے کے بعد تو نے اُن کو کھول دیا، اور اُن کو لوگوں کی برکتی کے قریب لوگوں کو اُن کی طرف بلا یا، اور اپنے گرد اہل فلسفہ کی ایک جماعت کو جمع کر کے اُن پر حد سے زیادہ احسانات کئے۔

اس لئے اگر ایک ایسے شخص نے حکما کے حالات میں کوئی کتاب لکھی ہو، تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں، لیکن افسوس ہو کہ یہ تمام کتابیں اس وقت ناپید ہیں، اور ہم اُن سے تاریخ فلسفہ کے متعلق کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، البتہ صنوان الحکمة کے علاوہ قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ان قوموں کے حالات لکھے ہیں، جنہوں نے دنیا میں علم کی روشنی پھیلائی ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں ان قوموں کے تمام علوم و فنون کی تاریخ لکھی جاسکتی تھی، تاہم قاضی صاعد نے صرف فلسفیانہ علوم کی تاریخ لکھی ہے، جس سے فلسفہ کی ترقی اور نشوونما کے اجمالی حالات معلوم ہو سکتے ہیں، ان سب کے بعد وزیر جمال الدین الاکرم ابوالحسن علی بن یوسف بن ابراہیم الشیبانی القفطی المتوفی ۶۳۶ھ نے اخبار الحکما کے نام سے اور اُن کے بعد علامہ موفی الدین ابی العباس احمد بن قاسم بن خلیفہ بن یونس السعیدی الخزرجی المعروف بابن ابی اصیْبہ المتوفی ۶۶۳ھ نے عیون الانبار فی طبقات الاطباء کے نام سے دو جلدوں میں



حکماء و اطباء کے حالات لکھے، اور یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں، اور جرجی زیدان نے فلسفہ اسلام کے جو ماخذ بتائے ہیں، ان میں انہی دونوں کتابوں کا نام لیا ہے،

ان دونوں سے پہلے شہر زدری نے ترجمہ الارواح و روضۃ الافراح کے نام سے حکماء و فلاسفہ کے حالات میں ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی تھی، جس کی دوسری جلد کا ایک قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، حکیم ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام سجستانی نے حکماء کے حالات میں ایک کتاب صوان الحکماء نام سے لکھی تھی، جس کا تہ امام ظہیر الدین ابی الحسن علی بن ابی القاسم زید بیتی المتوفی ۵۶۵ھ نے لکھا، جس کو پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے استاذ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اڈٹ کر کے شائع کیا ہے، جو ہمارے پیش نظر ہے، ان کتابوں کے علاوہ فرست ابن ندیم کشف العنون، مقدمہ ابن خلدون اور مختصر الاول سے بھی فلسفہ اسلام کی اجمالی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے،

ان تمام کتابوں کے پیش نظر کہنے کے بعد پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فلسفہ اسلام کا اصلی ماخذ تو یونان ہے، پھر ان مذکورہ نویسوں کو یونانی حکماء و فلاسفہ کے حالات کیونکر معلوم ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

اسلام سے پہلے خود حکماء یونان نے حکماء یونان کے حالات میں جو کتابیں لکھی تھیں، ان میں ایک حکیم فرید بوس صوری تھا، جو جالینوس کے بعد شہر صورتین پیدا ہوا، اور اس نے حکماء و فلاسفہ یونان کے حالات میں ایک کتاب لکھی، جو سریانی زبان میں موجود تھی، اور علامہ جمال الدین قسطلی نے لکھا کہ کچھ کچھ خود اس کا جو تھا مقالہ سریانی زبان میں ملا،

اس کے بعد اسلامی دور میں اسحاق بن حنین نے اطباء کے حالات میں ایک کتاب لکھی، جس کا ذکر علامہ جمال الدین قسطلی نے اس کے حالات میں کیا ہے، جبریل بن یحییٰ شوح نے بھی حکماء کے حالات میں ایک

کتاب لکھی تھی، جس کا حوالہ علامہ جمال الدین قسطلی نے عطش حرائی کے ذکر میں دیا ہے، اور غالباً ان دونوں کا ماخذ بھی فرید بوس کی کتاب ہی،

بہر حال مسلمانوں کے پاس حکماء یونان کے حالات کے معلوم کرنے کے مشن ذرائع موجود تھے، اور ان سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا، لیکن حالات سے زیادہ اہم چیز خود فلسفہ یونان کی تاریخ ہے، اس نے ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کتابوں سے ہم کو فلسفہ یونان کی تاریخ کس قدر معلوم ہوتی ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ خود مسلمانوں پر اس فلسفہ کا کیا اثر پڑا؟

صاعدانی نے فلسفہ یونان کی تاریخ کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، اور اس کے متعلق قسطلی وغیرہ کا ماخذ انہی کی کتاب ہے، وہ لکھتے ہیں کہ یونانی ایک نہایت مشہور قوم ہے، جس میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں، ان میں اسکندر سے بڑا فاتح اور کشور گشا تھا، جس نے ایران سے لیکر ترکستان، ہندوستان اور چین تک کو فتح کر لیا، اس کے بعد بہت سے اور بادشاہ پیدا ہوئے، جو بطائسہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے،

ان ہی میں ایک کا نام بطلمیوس قیلاذ بقوس تھا، جس کی نسبت مختصر الاول میں لکھا ہے کہ وہ بہت بڑا علم دوست تھا، اس کے زمانہ میں اگرچہ خود یونان میں فلسفہ و حکمت کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، لیکن اس نے صرف اسی ذخیرے پر قناعت نہیں کی، بلکہ جب اس کو معلوم ہوا کہ ہندوستان، ایران، جرجان، بابل اور سندھ وغیرہ میں فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا ایک ایسا ذخیرہ موجود ہے، جو یونانی فلسفہ و حکمت سے مختلف ہے، تو اس نے اپنے فریادگران ملکوں کی کتابوں کے جمع کرنے اور ان کو گران قدر قیمتوں پر خریدنے اور تاجرون کو ان کتابوں کے لانے کا حکم دیا، چنانچہ تھوڑے سے زمانہ میں چار ہزار ایک سو میں کتابیں



جمع ہو گئیں اور غالباً یونان کے فلسفہ پر ان کتابوں کا اثر ضرور پڑا ہوگا، اس کے بعد رومیوں نے یونان کو فتح کر لیا اور اس کو اپنی سلطنت بن شامل کر لیا، اب دونوں سلطنتیں ایک ہو گئیں اور رومی سلطنت کے حدود میں بھی بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ پیدا ہو گئے، یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یونان میں جو مشہور حکماء و فلاسفہ گذرے ہیں، وہ سب کے سب رومی تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سب یونانی تھے لیکن چونکہ دونوں سلطنتیں اور دونوں قومیں باہم غلط ملط ہو گئی تھیں اس لئے لوگوں کو یہ علم نہ ہو سکا کہ یہ حکماء و فلاسفہ یونانی تھے، یا رومی، لیکن بہر حال دونوں قومیں فلسفہ و حکمت میں مشہور تھیں اور زمانہ اسلام میں چونکہ صرف رومی سلطنت باقی رہ گئی تھی، اس لئے فلسفیانہ کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ رومی سلطنت میں مل سکتا تھا، اس لئے جب خلیفہ مامون الرشید کو فلسفیانہ کتابوں کی تلاش و جستجو کا شوق پیدا ہوا تو اس نے اس کے متعلق شاہ روم سے خط و کتابت کی اور جب شاہ روم نے ان کتابوں کی تلاش کی اور اس کو ان کا کوئی پتہ نہیں ملا، تو نہایت مغموم ہو کر کہا کہ مسلمانوں کا بادشاہ مجھ سے یونانیوں کا علم مانگتا ہے، اور مجھ کو اس کا سراغ نہیں ملتا، اب میں کیا غدر کر دوں اور اس حالت میں رومیوں کی کیا قدر و منزلت باقی رہے گی؟ وہ اسی پوچھ گچھ میں مصروف تھا کہ ایک عیسائی راہب نے اس کو ایک مفصل مکان کا پتہ دیا، جس میں عیسائیت کی اشاعت کے بعد فلسفہ و حکمت کی تمام کتابیں لوگوں سے چھین کر بند کر دی گئی تھیں، اب اس نے اپنے ارکان سلطنت سے مشورہ کرنے کے بعد اس مکان کو کھولا، تمام کتابیں نکالیں تو اس نے اس راہب سے پوچھا کہ اگر یہ کتابیں ایک اسلامی ملک میں بھیج دی جائیں تو اس کو کوئی دینی یا دنیوی نقصان تو نہیں پہنچے گا؟ راہب نے جواب دیا کہ اس سے آپ کو ثواب ملے گا کیونکہ یہ کتابیں جس قوم میں پہنچیں گی، اس کے دینی اصول و ارکان کو متزلزل کر دیں گی، چنانچہ پانچ اونٹوں پر لاد کر یہ کتابیں مامون کی خدمت میں بھیج دی گئیں اور مامون کے حکم سے ان کا ترجمہ رومی

زبان سے عربی میں کیا گیا، اس سلسلہ میں ہمارے مورخین نے لکھا ہے کہ مامون نے ارسطو کو خواب میں دیکھا تھا، اور اس نے اس کو چند مفید نصیحتیں کی تھیں، اسی خواب کے بعد اس کو ارسطو کی تصنیفات کا شوق پیدا ہوا اور اس نے شاہ روم سے صرف ارسطو کی تصنیفات کے بھیجنے کی خواہش کی تھی لیکن دو ہجری کے بعض متنفذین نے اذکار اس خواب کو شبہ قرار دیا ہے اور اگر وہ صحیح بھی ہو تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ شاہ روم نے جو کتابیں بھیجی تھیں، وہ سب کی سب ارسطو ہی کی تصنیفات تھیں، کیونکہ پانچ اونٹوں پر لاد کر کتابیں بھیج گئی تھیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ارسطو نے اتنی کتابیں نہیں لکھی تھیں، اس کے علاوہ خود قسطی نے لکھا ہے کہ

روحہ و اخیہ کتباً کثیراً فاخذ  
ان لوگن نے اس گھر میں بہت سی کتابیں  
من جابہا بغیر علم و شخص  
پائیں اس نے اس کے اطراف سے بغیر علم  
احمال و سیرت الی العامون  
جستجو کے پانچ اونٹوں کے بوجھ کے برابر کتابیں

ہیں اور مامون کے پاس بھیج دیں،

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ارسطو کی کتابیں چھانٹ چھانٹ کر نہیں بھیج گئی تھیں بلکہ اس گھر میں کتابوں کا جو ذخیرہ بھی ملا اس کو بھیج دیا گیا، مامون کے پاس جو کتابیں بھیج گئی تھیں ان میں بعض مکمل اور بعض ناقص تھیں، اور یہ ناقص کتابیں ناقص ہی حالت میں پڑی رہیں،

بہر حال اس قدر تو یقینی ہے کہ اس ذخیرہ میں تمام کتابیں ارسطو کی نہیں تھیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کتابوں میں کن کن فنون اور کن کن علما کی کتابیں تھیں، اور ان میں کن کن کتابوں کا ترجمہ کیا گیا؟ اور اس ذخیرے کے علاوہ روم میں فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا اور ذخیرہ کس قدر باقی رہ گیا؟ کشف الظنون میں لکھا ہے کہ بہت کم کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، اکثر کتابیں خود یونان اور روم میں رہ گئیں جن کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہو سکا، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ جس قدر بڑے بڑے حکماء



یونان میں گزے ہیں ان سب کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، اور ان کی راہوں کا اثر حکماء اسلام اور فلسفہ اسلامی پر پڑا ان حکماء میں سب سے زیادہ مشہور پانچ شخص تھے، بند قلیس، فیثاغورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو، ان میں سب سے مقدم بند قلیس ہی، جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تھا، اور اس نے شام میں تھماں علیہ السلام سے حکمت سیکھی تھی، پھر شام سے یونان میں آیا، اور تخلیق عالم کے متعلق ایسی باتیں کیں جس سے بظاہر معاد کا انکار ہوتا تھا، اس نے لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی، اس کے متعلق اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کو فطی نے پچھتم خود بیت المقدس کے کتب خانہ میں دیکھا تھا، فرقہ باطنیہ میں بعض لوگ اس کے ہم خیال تھے، اور ان کے خیال میں اس کتاب میں ایسے رموز و اسرار تھے، جو بہت کم سمجھ میں آسکتے تھے لیکن فطی نے لکھا ہے کہ یہ شخص ان لوگوں کے خیالات میں ور نہ میں نے اس کی جو کتاب دیکھی ہے، اس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔

لیکن بہر حال اس کے فلسفہ کو باطنیوں کے خیالات سے مشابہت و مناسبت تھی، اس نے باطنیوں نے اس کے مذہب کو قبول کر لیا، اور اس کے فلسفہ کی ترویج و اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ محمد بن عبد اللہ بن میسرہ حبلی باطنی نے لیا، جو شعبان ۲۶۹ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوا، اور سوال ۳۱۹ھ میں وفات پائی، وہ بند قلیس کے فلسفہ کا بڑا شیدائی تھا، اور ہمیشہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہتا تھا، لیکن اس کی وجہ سے اس پر اہل مغرب نے زندہ داکا کا الزام لگایا، اس نے وہ دہان سے بھاگ کر مشرق یعنی عراق میں چلا آیا، اور یہاں متکلمین اور معتزلہ وغیرہ سے مناظرہ و مباحثہ کرتا رہا، پھر مشرق سے ہٹ کر اندلس آیا، اور یہاں زایدانہ زندگی بسر کرنے لگا، اس زایدانہ زندگی کے ظاہری مناظرہ کو دیکھ کر لوگوں نے اس سے عقیدت مند سی ظاہر کی، لیکن جب اس کے عقائد معلوم ہوئے تو بعض لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی، اور بعض لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کر لیا،

مشرق کے زمانہ قیام میں وہ اپنے عقائد کی یادگار ایک مسئلہ بھی چھوڑ گیا، کیونکہ بند قلیس پہلا فلسفی ہے جس کا خیال تھا، کہ خداوند تعالیٰ کی ذات میں جو مختلف اوصاف مثلاً علم، قدرت، جود و سخا، وغیرہ پائے جاتے ہیں، وہ الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، بلکہ ان سب کا نشانہ صرف خداوند تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اور تمام موجودات میں تو کثرت پائی جاتی ہے، اس لئے ان میں الگ الگ اوصاف موجود ہیں، لیکن خداوند تعالیٰ کی ذات میں کثرت نہیں پائی جاتی، اس لئے یہ اوصاف اس میں الگ الگ موجود نہیں ہیں، بلکہ صرف اس کی ذات ہی ان سب کا نشانہ ہے، اور معتزلہ میں ابو الغدیل محمد بن المذہل البصری نے صفات باری کے متعلق اسی کا مذہب اختیار کیا ہے۔

فیثاغورث بند قلیس کے بعد پیدا ہوا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب سے مصر میں سیکھی، اور ان سے پہلے وہ مصریوں سے علم ہندسہ کی تعلیم حاصل کر چکا تھا، موسیقی کا فن اس نے خود ایجاد کیا تھا، اور اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے اس کو منقولہ نبوت سے حاصل کیا تھا، اعداد کے خواص کے مطابق اس نے عالم کی ترکیب و ترتیب کے متعلق رموز و اشارات میں عجیب و غریب باتیں لکھی تھیں، معاد کے متعلق اس کا مذہب قریب قریب وہی ہے، جو بند قلیس کا ہے یعنی اس آدمی عالم کے علاوہ ایک روحانی عالم اور بھی ہے جس کے حسن و جمال کا ادراک عقل نہیں کر سکتی، تمام پاکیزہ روہیں اس کی مشتاق رہتی ہیں، اور جس شخص نے اپنی روح کو، عجب و غرور، ریا و حسد، اور اس قسم کی جسمانی خواہشوں کی گزندگی سے پاک کر لیا ہے، وہ اس روحانی عالم سے ملنے کا مستحق ہو جاتا ہے، اور لذت چیزوں کا فیضان خود بخود اس کی روح پر اس طرح ہوتا ہے جس طرح نغمہ سرود کی صدائیں خود بخود کانوں میں آتی ہیں طبقات الامم اور اخبار الحکماء میں اس کے صرف اسی قدر حالات مذکور ہیں، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں فر فریوس صورتی کی تاریخ الفلاسفہ اور محمود اللہ ولد ابوالوارث بستر بن فاکم کی کتاب



مختار حکم و محاسن اہل علم سے اخذ کر کے اس کا مفصل تذکرہ لکھا ہے اور اس کے اخلاقی اور فلسفیانہ اقوال نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ سب سے پہلے اُسی نے فلسفہ کا نام فلسفہ رکھا، اور جس طرح باطنیوں میں بند قلیس کا فلسفہ مقبول ہوا تھا، اسی طرح فیثاغورث کا فلسفہ بھی مقبول ہوا، اور اباباخوان الصغار نے اُس کے پورے فلسفہ کو اپنے رسائل میں نقل کر لیا، سقراط اسی فیثاغورث کا شاگرد تھا، اور اس نے فلسفہ کی تمام شاخوں میں سے صرف فلسفہ الہی کو لے لیا تھا، اور صفات باری کے متعلق اُس کا مذہب قریب قریب وہی تھا، جو فیثاغورث اور بند قلیس کا تھا، البتہ معاد کے متعلق اس نے ضعیف رائے قائم کی تھیں جن کو فلسفہ سے کوئی تعلق نہ تھا، اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات و نظریات کو کتاب کی صورت میں مدون نہیں کیا تھا، اور نہ اپنے شاگردوں کو اس کی اجازت دی تھی، صرف رمز و اشارات میں اُن کی تلقین کرتا تھا، اخبار اکمل اور طبقات الاطباء میں اس کے مفصل حالات لکھے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت زاہد و زندہ گیر ہوتا تھا، اور لوگوں کو توحید اور محاسن اخلاق کی تعلیم دیتا تھا، اور اسی بنا پر یونانیوں نے اُس کی مخالفت کی، اور اس کو اس جرم میں زہر کا پیالہ پینا پڑا، اس بنا پر اس کے زمانہ سے اخلاقی تعلیمات کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہمارے بعض صوفیوں نے اُن سے فائدہ اٹھایا، افلاطون بھی سقراط کی طرح فیثاغورث کا شاگرد تھا، اور ابدار میں شعر کہا کرتا تھا، اور اس میں نہایت کمال پیدا کیا تھا، ابھی اس کی عمر ۲۰ سال سے بھی کم تھی کہ فیثاغورث کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس کی باتیں سنیں، اور فن موسیقی میں کتابیں لکھیں، اس کے بعد فلسفہ کا شوق پیدا ہوا، تو اراقلیطوس کے شاگردوں کی خدمت میں حاضر ہوا، ان لوگوں کا ایک خاص فلسفیانہ طریقہ تھا، جواب بالکل مٹ گیا ہے، افلاطون نے اُن کے فلسفیانہ مسائل سے تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ طریقہ رد و قدح سے محفوظ نہیں ہے، اس نے حقیقی فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنی چاہی، فیثاغورث تو مرچکا تھا، البتہ اس کا جانشین سقراط زندہ

تھا، چنانچہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت سقراط ایک جماعت سے خطاب کر رہا تھا، چنانچہ افلاطون نے اس کی باتیں سنیں، تو اُس کے دل میں فیثاغورثی فلسفہ کی تعلیم کا نہایت شوق پیدا ہوا اور شعر و شاعری کا جو دفتر اس کے پاس موجود تھا، اس کو نذر آتش کر دیا، اُس کے بعد پچاس سال تک سقراط کی شاگردی کی، یہاں تک کہ امور عقلیہ میں فیثاغورث کا، اور سیاسیات میں سقراط کا درجہ حاصل کر لیا،

افلاطون کے زمانہ سے یونانی فلسفہ کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اس سے پہلے حکماء یونان فیثاغورث، تالیس ملٹی اور یونان و مصر کے عام صابیون کے فلسفہ طبعیہ کی طرف مائل تھے، لیکن متاخرین حکماء یونان مثلاً سقراط، افلاطون اور ارسطو فلسفہ مدنیہ کی طرف مائل ہوئے، اور اس کی ابتداء سقراط کے زمانہ سے ہوئی، اور افلاطون کے زمانہ میں وہ درجہ کمال کو پہنچ گئی، چنانچہ ارسطو نے کتاب الجوان میں لکھا ہے کہ سو سال یعنی سقراط کے زمانہ سے یونانیوں نے فلسفہ طبعیہ کو چھوڑ دیا، اور فلسفہ مدنیہ کی طرف توجہ کی، اور یونانیوں کے علوم کا خاتمہ افلاطون پر ہو گیا، یونان میں فلسفہ کی جو مختلف شاخیں قائم ہوئیں، وہ خاص خاص مناسبتوں سے مختلف ناموں سے موسوم ہوئیں،

۱۔ قورنٹیم :- اس فرقہ کا بانی ارسطیس تھا، جو قورنیا کا رہنے والا تھا، اور اسی شہر کی مناسبت

سے اس کا نام قورونیہ پڑ گیا،

۲۔ رواقیم :- اس فرقہ کا بانی کرسنس تھا، جو فلسفہ قدیمہ کی جس کے اصول و قواعد پورے طور پر مضبوط ہو سکے تھے تعلیم دیتا تھا، اور چونکہ وہ ایتھنز کے مندر کی چھت کے نیچے بٹھکر فلسفہ کی تعلیم دیتا

تھا، اس لئے وہ رواقیم اور اصحاب المظلل کے نام سے مشہور ہوا،



۳۔ کلابیہ: یہ حکما سے قدیم کا وہ فرقہ تھا جس کے فلسفہ کے اصول و قواعد بھی مستحکم نہ ہو سکے یہ فرقہ رسمی اور اصطلاحی اصول اخلاق کا مخالف تھا، مثلاً علانیہ سب کے سامنے عورتوں سے اخلافاً کراہتا تھا، اس کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس قسم کے افعال مطلقاً ناجائز ہیں، تو ان کو کسی جگہ اور کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہونا چاہیے اور اگر ایک جگہ اور ایک صورت میں جائز اور دوسری جگہ دوسری صورت میں ناجائز ہیں، تو یہ ایک رسمی اور اصطلاحی اصول ہے جس کی پابندی ضروری نہیں، ان کی اسی اخلاقی حالت کی بنا پر لوگ کہتے تھے کہ ان کی حالت کتوں کے مشابہ ہے، اس لئے وہ کلابیہ کے نام سے مشہور ہوئے، مسلمانوں میں گمراہ اور نام نہاد صوفیوں کا جو فرقہ ملائیت کے نام سے مشہور ہے، وہ اسی فرقہ کے اصول اخلاق کا مقلد ہے،

۴۔ مانئہ: یہ فرقہ اس رائے کی مناسبت سے جو وہ فلسفہ کے متعلق رکھتا تھا، اس نام سے مشہور ہوا، قسطی نے اس فرقہ کے بانی کا نام بتایا ہے، اور نہ فلسفہ کے متعلق اس کی کوئی رائے نقل کی ہے لیکن صاعدانسی نے اس کا نام قرون بتایا ہے، لیکن اس نے بھی فلسفہ کے متعلق اس کی کوئی رائے نہیں بتائی ہے لیکن قسطی نے دوسرے موقع پر اس کے حالات بیان کئے ہیں کہ وہ قدیم فلسفہ یعنی فیثاغورث، تالس، اور یونانی، اور مصری صابیون کے فلسفہ کی تعلیم دیتا تھا، اور ارسطو سے سوال پیشتر یونان میں اس فلسفہ کا عام رواج تھا لیکن اس فلسفہ کی بنیاد مستحکم نہ ہو سکی لیکن فلسفہ کے متعلق اس موقع پر بھی اس کی کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے، لیکن علامہ شبلی مرحوم نے اپنے مضمون تراجم میں لکھا ہے کہ چونکہ وہ لوگوں کو تعلیم سے روکتا تھا، اس لئے اس نام سے مشہور ہوا، لیکن قسطی اور صاعدانسی نے اس فرقہ کا کوئی نام نہیں بتایا ہے،

۵۔ لذتیت: اس فرقہ کا بانی اپیکورس ہے، اور چونکہ اس کے نزدیک فلسفہ کی تعلیم کا مقصد صرف وہ لذت ہو جو اس کے علم کے بعد حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس کو اصحاب اللذۃ کہتے ہیں

۶۔ فیثاغورثیت: اس فرقہ کا بانی فیثاغورث ہے، اور اسی کے نام کی طرف یہ فرقہ منسوب ہے،  
۷۔ مشائیہ: اس فرقہ کے بانی افلاطون اور ارسطو ہیں، مشی کے معنی عربی زبان میں چلنے اور ٹہلنے کے ہیں، اور چونکہ افلاطون اور ارسطو ٹہل کر فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس لقب سے موسوم ہوئے، ان فرقوں کے نام گنا کر اسی اخیر فرقہ کے بانیوں یعنی افلاطون اور ارسطو کے متعلق قسطی لکھا ہے:-

وہکمار کنا الفلسفہ

یعنی یہی دونوں فلسفی فلسفہ کے ستون  
وعموداھا،  
ہیں،  
اور ان ہی دونوں ستونوں پر مسلمانوں کے فلسفہ کی بنیاد قائم ہے،  
باقی

## مبادی فلسفہ حصہ اول

مولانا عبدالمجید صاحب دریابادی کے مختلف فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے مضامین دلچسپ اور

طرز بیان روان و سگفتہ ہے، قیمت: - ۱۲

## مبادی فلسفہ حصہ دوم

یہ مولانا موصوف کے سات فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے جو نظر ثانی کے بعد اس میں جمع

کئے گئے ہیں، قیمت: - ۱۲

”فیثاغورثیت“



## سلامِ اوسند و مذہب کی بعض مشترک تعلیمات

از

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

”تناسخ اور اس کے ذریعہ نجات کے عقیدے کی تعلیم آپ نے (یعنی پیغمبر اسلام ﷺ) نہیں دی، بہشت و دوزخ وغیرہ باتیں عیسائیوں اور یہودیوں کے مذہب جیسے رہتی ہیں“

(ابھینو ڈل اتھاس ص ۸۸)

یہ جو وہ علم جو اس وقت تک ملک کے آزاد ہونے کے بعد بھی ہمارے بچوں کو سکھایا جا رہا ہے، نہ کوئی کتاب (ابھینو ڈل اتھاس) ہمارے اسکولوں کے نصاب میں شریک ہے، معتقد کا نام بھولا داس بی اے ال ال بی مبر بہار میرچ سوسائٹی ہے، کتاب ابھینو گرنیتھا گار کی شائع کی ہوئی ہے، ہر فقرے اس کتاب کے آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، اُن کو پڑھ کر سوچئے والے یقیناً ان ہی تینوں تک پہنچ سکتے ہیں کہ

۱۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں جو لوگ آباد تھے، اور ویدک دھرم کے قائل تھے، اُن کے اس دھرم میں صرف تناسخ کا عقیدہ پایا جاتا ہے، اور بہشت و دوزخ وغیرہ عقائد سے اس دھرم کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ عیسائیوں اور یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد نیکی اور بدی کے نتیجے اُن کے سامنے بہشت و دوزخ کی شکل میں سامنے آئیں گے۔

دوسری بات یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کے ذہن میں مرنے کے بعد بہشت و دوزخ کا عقیدہ پایا جاتا ہے، اور اسلام میں بھی یہی مانا جاتا ہے، کیا یہی واقعہ ہے؟ یہودیوں کا حال تو یہ ہے کہ اُن کے دین کی بنیادی کتاب تورات، مرنے کے بعد جی اٹھنے کے عقیدہ سے خاموش ہے، نیکی اور بدی کے صلہ میں فلسطین کی سرزمین کا وعدہ اس کتاب میں پایا جاتا ہے جس میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ اسی ارض موعود میں شہد اور کی نہرین ہتی ہیں، خدا کے حکم کو مانو گے، تو اس سرزمین پر تمہارا قبضہ قائم رہے گا، باقی عیسائی مذہب اس میں مرنے کے بعد کی زندگی کا ذکر ضرور کیا گیا لیکن عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ نیک آدمی مرنے کے بعد فرشتہ بن جاتا ہے، اور بدکار شیطان اور بھوت بن جاتے ہیں، یہی وجہ ہے جو قرآن کی حیثیت پر عیسائی اس لئے چین چین ہوئے ہیں کہ فرشتہ کی زندگی کو جہات و انہار و تجر و تصور سے کیا تعلق،

باقی پہلی بات یعنی ہندوستان کے باشندے اسلام کے پیش کئے ہوئے عقیدے جنت و دوزخ سے قطعاً نا آشنا اور نا واقف تھے، اُن کے دین میں نجات کا ذریعہ صرف تناسخ کو مانا جاتا تھا، اور اُس کے سوا بھی اسلامی تعلیمات کے دوسرے اجزاء کے متعلق دیکھئے، کہ ویدک دھرم کی تصریحات اس باب میں کیا ہیں،

افسوس ہوتا ہے کہ اسلام اور ہندوؤں کے ویدک دھرم کا مقابلہ صحیح علمی روشنی میں نہیں کیا گیا، ایک ہندو دوان (عالم) کے تاثرات تو آپ دیکھ چکے، خود مسلمانوں کا بھی حال اس معاملہ میں یہ ہے کہ براہ راست ہندوؤں کی کتابوں کے پڑھنے کا موقع جن لوگوں کا نہیں ملتا ہے، سنی سانی باتوں کو دقت قرار دے کر اس قسم کی چیزیں اُن کی کتابوں میں بھی درج ہو گئی ہیں، اور تو اور محمد بن عبدلکریم شہرستانی جنہوں نے مذاہبِ ادیان ہی پر اپنی مشہور کتاب مل و مل لکھی ہے، اس میں بعض مسلمانوں کے اس خیال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ برہمن کا لفظ برہنامی جس شخص کی طرف منسوب ہے، یہ دراصل حضرت ابراہیم نام کا ایک ہندی لفظ ہے اس پر تنقید کرتے ہوئے شہرستانی نے لکھا ہے کہ یہ عجیب بات ہے اس کے برہمنوں



کا طبقہ جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے، وہ تو

المخصوصون فی النبوۃ اصلاً ودراساً

خدا ہی جانتا ہے کہ شہرستانی نے "براہمہ" یعنی برہمن ہندوستان کے کن لوگوں کو سمجھ لیا، اور ان کی طرف یہ عجیب و غریب عقیدہ منسوب کر دیا کہ وہ نبوت و رسالات ہی کے سلسلہ کے سرے سے منکر تھے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ برہمنوں کے دین کی بنیاد ہی کتاب وید کے متعلق عام عقیدہ اس کتاب کے ماننے والوں کا یہی ہے کہ خالق کائنات کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور کیوں جائیے مباحثات جو عام طور پر ہر ہندو کے گھر میں اب بھی پڑھی جاتی ہے، اسی میں بہ کثرت اس قسم کی باتیں آپ کو مل سکتی ہیں مثلاً:-

"پریشتر (خدا) کی سانس سے وید پتھن (پیدا) ہوئے"

(ادیلوگ پر پادھیائے)

یا اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ یہ ہیں کہ

"پیشری (عبادت گزار) لوگ بیزچن (وید کے الفاظ) کو بھگوان کا واک (کلام)

جان کر اس پر ڈرہ بدھی (استقامت اختیار کرتے) رہے ہیں"

(شانتی پر پ حصہ سوم ۱۷۹ ادھیائے)

بہر حال وید کا براہمہ کے منہ سے نکلنا، ہندوؤں کے ساتھ دھرم کا عام عقیدہ ہے اور خواہ شہرستانی کو اس کا علم نہ ہو لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کے سربراہ اور علماء اور صوفیہ بھی اپنی کتابوں میں اس قسم کی باتیں کہتے رہے ہیں، حضرت مرزا مظہر جان جانا رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور فقرہ مقامات منطری میں پایا جاتا ہے کہ خالق کائنات نے اپنے رحم و فضل سے

"کتابے مسمیٰ بر جید کہ چار دفتر دار و مشتمل بر احکام نہی و امر و اخبار ماضی و مستقبل است"

ہو تو سنا ملے برہما نام کہ آلد جا رہا بجا و عالم ست فرستاد" (ص ۱۹۰)

مرزا صاحب نے براہمہ کو بھائے ابراہیم علیہ السلام کے ملک یعنی فرشتہ قرار دیا ہے، لیکن بہر حال اس کی تو تفریح فرمائی ہے کہ وید خدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، یہی ہندوؤں کا عقیدہ ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ناواقفیت کی وجہ سے شہرستانی نے ہندوؤں کو سرے سے نبوت و رسالات کا منکر ہی ٹھہرا دیا، اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام اور ویدک دھرم کے تعلیمات میں کیا تعلق ہے؟ سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلہ پر ہندوؤں میں صحیح طور پر کام کرنے والوں نے اب تک کوئی قابل ذکر کام کیا ہے، اور جیسا کہ چاہیے مسلمانوں میں بھی اس مسئلہ کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا وہ قرار واقعی طور پر مستحق ہے، بطور ابتدائی اور تمہیدی مضمون کے ایک مختصر سا مقالہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، غرض یہ ہے کہ کام کی راہ ممکن ہو لوگوں کے سامنے آجائے، جو ہندو مذہب کے مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں،

افسوس یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم مذاہب و ادیان کے وثائق اور یادداشتوں کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے نہیں کیا گیا ہے، ورنہ ان ہی کتابوں میں نہیں جن کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کا عام رواج اس ملک میں باقی نہیں رہا ہے، اور اسی وجہ سے ان کے مطالب اور معانی کی صحیح یافت و شواہد ہو گئی ہے بلکہ مباحثات جیسی عام کتاب جس کا اب بھی تقریباً ویدک دھرم کے ماننے والوں کے گھر گھر میں پاٹ ہوتا ہے اور ہر کہ وہ چھوٹے بڑے کی رسائی خود اس کتاب تک اور اس کے مضامین تک آسان ہے، اسی میں ایسی حیرت انگیز چیزیں مل جاتی ہیں کہ آدمی مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے، اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ دیا گیا ہے، اس کا بڑا حصہ اب بھی ہندوستان کے باشندوں کے اگلے بزرگوں کی کتابوں میں موجود

ملے میرا اشارہ وید اور اپنشد وغیرہ ہندوستان کے قدیم دینی سرمایوں کی طرف ہے، وید کے متعلق پنڈت سند لال جی نے اپنی کتاب قرآن اور گیتا میں جو حال میں شائع ہوئی ہے لکھا ہے کہ وید کی زبان اتنی پُرانی ہو چکی ہے، کہ صحیح مطلب کا سمجھنا اور شواہد



ہے، قرآنی تعلیمات کا بنیادی مسئلہ، اور جوہری روح جیسا کہ سب جانتے ہیں، توحید ہے، یعنی سچے مخلوقات کے عالم کے پیدا کرنے والے خالق تعالیٰ جل مجدہ ہی کی عبادت پر اصرار یہی قرآن کا محوری پیغام ہے، اسی محور پر اس کے سارے مطالبات گردش کرتے ہیں، لیکن یہ تو قرآن میں ہے، اب ہمارے بھارت کے بن پر ب کا اکثر وان ادھیائے کا ترجمہ پڑھئے، جیم سین جو ہما بھارت کی جنگ کے گویا رستم تھے، اس کا ذکر کرتے ہوئے، کہ ایک دفعہ ہنومان جی نے جیم سین کو اپنے درشن دیئے تو اس وقت قدیم ہند کے ساتن دھرم کی خصوصیت کو بتاتے ہوئے ہنومان جی نے جیسا کہ اسی کتاب میں ہے یہ کہا کہ "کرت جگ جس کو ست جگ کہتے ہیں، اس میں ساتن دھرم جاری تھا،"

ساتن دھرم جب اس ملک میں جاری تھا، تو اس کی رست بڑی امتیازی خصوصیت ہنومان جی کے بیان کے مطابق کیا تھی، نیٹے ہنومان جی کی طرف یہ بیان منسوب کیا گیا ہے کہ "اس جگ میں دھرم کا ناش نہیں ہوتا تھا، دیوتا دانو، گندھرب، کھڑ، بکش، نش، ایک پرستو تم جگوان کی پوجا کرتے تھے،" (بن پر بٹ ادھیائے)

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ اس ملک کے آباد کاروں کے آبار آدین راگلے آبار اجداد کے دین کا جوہری عنصر توحید ہی تھا، اور خالق عالم جل مجدہ ہی کی ذات پاک اس ملک کا واحد مہبود ہنومان جی کے زمانہ میں تھی، یہ وہ زمانہ تھا، جب ملک پر رام چند جی حکومت کرتے تھے، لیکن یہ سلسلہ کب تک جاری رہا؟ جیم پیامہ جن کا ذکر علم و عرفان حسن و کردار و عمل کے مثالی وجود کی حیثیت سے اس رزمیہ داستان مہابھارت میں کیا گیا ہے، جب زخمی ہو کر یہی جیم پیامہ پتروں کے ریح پر لٹا دیئے گئے تھے، ادا ان کی فرج پر سی کے لئے آخرین خود شری کرشن جی بھی ان کے بالین پر

۱۵ ملائم جن ادواج عیب، و غیب کے متعلق ہندو ادبیات میں یہی الفاظ مستعمل ہیں، بکش و نش، اچن لاش کے ہم معنی الفاظ ہیں، ۱۶

پہنچے، تو لکھا ہے کہ

"بھیشم جی کو ان بھگت جان کر ترلو کی درشن"

سے سری کرشن جی نے سرفراز کیا، یعنی تینوں عالم (لوک) کا شاہد ان کو کرادیا، مذکورہ بالا فقرے میں ان بھگت کا جو لفظ ہے، اس کا مطلب سی کتاب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "جو گیون (صرف) نارائن (خالق عالم) کی اوسپنا (عبادت) کرتا ہو"

(ہما بھارت شناسنی پر ب ۲۳ ادھیائے)

جس سے معلوم ہوا کہ ہما بھارت کی جنگ اس ملک میں جب لڑی گئی تھی اس وقت تک دینی زندگی کی روح یہی ان بھگت "ہونا بھی جاتی تھی، اور یہ تو خیر پھر بھی ایک اجمالی بات ہوئی، مہابھارت کی جنگ میں فاتح اعظم ہونے کی حیثیت راجہ جہنشو کو حاصل ہوئی تھی، ان ہی کو ان الفاظ کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے یعنی:-

"ہے ہما بھاگ (بڑے خوش قسمت) راجہ جہنشو"

منجملہ اور باتوں کے یہ اپدیش بھی ان کو دیا گیا تھا، جس میں خالق عالم کو ان الفاظ میں روٹھاس کرانے کے

"دہی نارائن شرسٹی (عالم) کو اپن (پیدا) کرتا ہے اور پھر اپنے میں لے کر لیتا ہے" (یعنی ہر چیز اسی کی طرف واپس ہو جاتی ہے، ازل الیہ راجون) وہی سب دیوتاؤں، رشیوں

دانوؤں، گندھریوں، نشوں، کا پالن پرشن کرنے والا ہے"

آخر میں راجہ جہنشو کو حکم دیا گیا تھا کہ

"اسی نرگن دیوتا کا پوجن کرو"

گویا:-

ذی اللہ رتیکہ

یہی اللہ ہے تھا رپر در دگار، پس اسی



فاحید دکا،

کو پوجتے رہنا،

کی قرآنی آیت کا جو اصل ہے، اسی کی تعلیم راجہ جہد شتر کو دی گئی تھی، اور مہاجرات کا یہ نرگن دیوتا جس کی پوجا کا مطالبہ راجہ جہد شتر سے کیا گیا ہے جانتے ہیں، ہندوستان کے آباد کاروں کے آباؤ اجداد کی معرفت اس کے متعلق کن گہرائیوں تک پہنچ چکی تھی،

اسی کتاب کا وہ حصہ جسے ادیوگ کہتے ہیں، اس کے گیارہویں ادھیائے ہیں، ایک رشی جن کا نام سجات جی بتایا گیا ہے، ان ہی کی طرف یہ بیان منسوب کیا گیا ہے کہ

سجات جی بولے کہ برہم کا روپ کیا برہن (بیان) کروں نہ پر تھی (زمین) میں ویسا ہے، نہ آکاش (آسمان) میں نہ اس کا کوئی جسم ہے، نہ وہ سمندر میں ہے، نہ ستاروں میں نہ کبھی میں نہ بادل میں، نہ چندرمان آؤ کمترین میں دکھائی دیتا ہے، نہ سورج میں نہ اور

کسی میں، کنتو اس کا روپ، اپار پینہ ہر

اپار پینہ کا ترجمہ مترجم صاحب نے بے مثل و بے حد کیا ہے، نیز اسی ادیوگ کے بارہویں ادھیائے میں مراحتہ ان الفاظ کو ہم پاتے ہیں،

اس برہم کی صورت کسی نظر اور مثال سے نہیں بتائی جاسکتی، اور نہ کوئی اس کے

مشابہ ہے۔

الغرض لیکن کثرت شئی کے تبیری بس میں قرآن نے معرفت کی جس تنزیہی شان کو

اسے مترجم صاحب میری مراد منشی شری رام صاحب، نھر دلو می ہیں جنہوں نے چار ضخیم جلدوں میں کافی تحقیق و تدقیق کے ساتھ مہاجرات کا اردو دین کا میاب ترجمہ کیا ہے، مطبع نو لکھنؤ میں متعدد بار یہ ترجمہ چھپا ہے، میرے پیش نظر ۱۹۱۲ء کا مطبوعہ نسخہ ہے، سارے حوالے مہاجرات کے اسی ترجمہ سے ماخوذ ہیں،

اٹاکیا ہے، کیا مہاجرات کے اس فقرے میں اس کے سوا اور بھی کچھ ہے

میرے سامنے اس وقت تفصیل نہیں ہے، صرف چند سرسری مثالوں کو پیش کر رہا ہوں اور نہ اس قوم کی باتیں مثلاً:-

جس کے اوپر نارین کرپا (دربانی) کرین، اس کا کوئی بگاڑ نہیں سکتا، اور جس پر پریشیر

کو پ کرین، اس کو کوئی بچا نہیں سکتا، (سچا پرپ ادھیائے ۱۱)

ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ اللہ آدمی کے لئے جس رحمت کو

فلا مصلک لہا و ما یصلک کھولے، اسے کوئی روک نہیں سکتا

فلا مرسل لہ من بعدک، اور جسے روک دے، اسے کوئی کھول

(صافات) نہیں سکتا،

اور اسی مضمون کی بے شمار آیتوں کے مفہوم ہی کے اعادہ کی شکل ہے، آپ بکثرت اسی مہاجرات میں پاسکتے ہیں، اور قدم قدم پر اسی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کی اگلی نسلوں کو جو کچھ دیا گیا تھا، جیسے دوسروں تک ان کے آبائی سرمایے کو قرآن نے واپس کیا، اسی طرح اس ملک کے صحیح موروثی دین کو ان کے وارثوں تک وہ پہنچا ناچاہتا ہے، لوگوں کو معلوم نہیں ہے اور نہ توجہ ہی نہیں، مذہب کی عملی زندگی، برہم یعنی باپ پن یا نیکی، اور برہی کے قانون کی تابع ہے، اس عام اسلامی نظریہ اور جو کچھ اس کے تفصیلات ہیں، ایک ایک جز اس کا بھی آپ کو مہاجرات ہی میں مل سکتا ہے، اسی قانون کا ذکر ایک جگہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے، یعنی

”پاپ پن، دونوں پھل، واک (نیچہ خیز بار آور) ہیں، ایک سے سرگ (بخت) آؤ

دوسرے سے نرک (انار) ملتا ہے (ادیوگ ادھیائے ۱۱)

اور یہ کہ آدمی تپ اس لوک (دار دنیا) میں کرتا ہے، اور پھل اس کا دوسرے لوک (عالم آخرت)



میں پاتا ہے!

نیز:

بن سے پاپ کا ناش ہوتا ہے!

اسی کے ساتھ یہ بھی کہ

"جو کوئی منہ (آدمی) پاپ کرم (گناہ کا کام) کر کے پشیمان ہو کر تائب ہو (یعنی پچھتاؤ اور نادم ہوتا ہے) وہ پچھلے کئے ہوئے پاپ سے جھوٹ جاتا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ پھر ایسا پاپ کرم نہیں کروں گا، وہ اس کئے ہوئے پاپ کا پھل نہیں پاتا ہے"

(بن پر پاپ ادھیانے ۹)

ترجمہ: یا نیکی اور بدی کے ان ہی کلیات پر تصدیق کی مرثبت کر کے موجودہ زندگی کے انکار کرانے جب بے نقاب کیا ہی، تو پھر میں یہ کیسے مان لوں کہ ہمارے وطن کے باشندوں کی طرف بھی اُس کے خطاب کا رخ نہ تھا جن کی کتابوں میں نیکی اور بدی کے قانون کے ان تمام پہلوؤں کا ہم پاتے ہیں، جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے، آخر آپ ہی بتائیے قرآنی آیات مثلاً

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ  
یعنی ہر شخص کو اپنے بچھے کاموں کا نفع بھی ملتا ہے، اور بُرے کا وبال بھی اسی پر (البقرہ ۷۸)

عائد ہوتا ہے!

یا:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ  
بھلائی (پن) (برائیوں) (پاپ) کو

زائل کر دیتی ہیں،

اور یہ کہ:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ نُبُهَةً وَلَهُمْ بَصَرٌ وَأَعْلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ  
اور جو کچھ کر گزرتے، اس پر اصرار نہ کیا، بکالیکہ وہ جان رہے ہیں ان کا مدد ہے اپنے مالک کی طرف دیکھو

(آل عمران)

سے آمرزش،

بہری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ غیر مروج غیر متداول کتابوں میں یہ نہیں، بلکہ اسی وہاں جہاں بن جب یہ موجود ہے کہ نیکی آدمی اس لوگ (دنیا) میں کرتا ہے اور پھل اس کا دوسرے لوگ (عالم آخرت) میں پاتا ہے اور اس کے بعد مرگ، مرگ کا ذکر کر کے بار بار ہر ٹھوڑے ٹھوڑے وقفے اس قسم کی باتیں مٹی میں، مثلاً مرگ (انجمن) کا تذکرہ کرتے ہوئے

"مرگ اس لوگ (عالم) ہے جہاں سب پدارتھ (ساز و سامان) موجود ہیں

وہاں رہنے والوں کو بھوک پیاس سردی گرمی کچھ نہیں لگتی"

بہشتی نعمتوں کی ایک طویل فہرست جس میں بلوسات، مطعومات، مشروبات، مسوعات، ملوسات، الغرض سارے حسی لذائذ کی تفصیل کے بعد آخر میں ہے

"اس دیہ (جسم) سے جو دب دیہ (نورانی جسم) کہلاتی ہے جس میں نہ بڑھاپا، نہ

نہ جوانی ہے، ہمیشہ ایک چنین روپ رہتی ہے، مرگ باس ملتا ہے، وہاں سوائے ہر کہ

اس مطلب یہ ہے کہ ہر ہر انسانی حاسہ کے ساتھ جن جن لذتوں کا تعلق ہے، سب ہی کا ذکر و دیدک و عہد کے مرگ میں کیا گیا ہے، حتیٰ کہ پسراؤں (حورون) کے ساتھ بھوک پیاس کے پر اپت ہونے یعنی مٹی ہونے کا ذکر کثرت میں کیا گیا ہے،



(سرور) کے شوک پٹیرا (دکھ کی تحلیف) نہیں ہے۔ (بن پرپ ادھیائے ۱۱)

اور اسی کے مقابلہ میں نرک کے متعلق

گھور نرک جہان اندھیرا ہے، اچھس (یا لالکھ غلافا شداو) پٹیرا (تحلیف) دیتے ہیں،

(بن پرپ)

شاید ہی کوئی حصہ مابھارت کا ہو گا جو انسانیت کے اس آخری انجام یعنی انجنتہ والنار کے ذکر سے خالی ہو، پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ تھوڑا سا موجودہ یہودیت جس کی آسمانی کتاب کو جنت اور دوزخ ہی نہیں، بلکہ اس لوک اور عالم کے بعد دوسرے لوک یا عالم کی زندگی کے ذکر سے ہم قطعی طور پر خاموش پاتے ہیں، اس دین کو تو محض یورپ والوں کی اس قسم کی مصنوعی تقیمون یعنی سامی و آریائی، تورانی وغیرہ حقون میں مذہبی قوموں کو بانٹ بانٹ کر یہ فیصلہ جو کر دیا گیا ہے کہ اسلام اور یہودیت و نصرانیت تو دین کی سامی قسم میں شریک ہیں، اور ہندوستان وغیرہ میں جو دین اور دھرم پھیلا ہوا تھا، وہ دین کی آریائی شکل ہے، حالانکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ یہودیت اور نصرانیت کے متعلق چاہے کتنے والے کچھ ہی کہیں، لیکن اسلامی دین جسے قرآن نے اس دعویٰ کے ساتھ پیش کیا ہے، کہ اصولاً دین کی یہ کوئی نئی شکل و صورت نہیں ہے، بلکہ ساری انسانی نسلوں کا جو حقیقی موروثی اور آبائی دین اور دھرم تھا، اسی کو ہر قسم کی خارجی آمیزشوں سے صاف و پاک کر کے قوموں کے حوالہ کر دینا، یہی اس کا واضح نکتہ ہے۔

انقبائے لالہ پاسے این چمن

پاک شست آلود گیہائے کمن

قرآن کے پیش کرنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خصوصیت جب یہی ہو تو ایسی صورت

میں کوئی دہر نہیں ہو سکتی کہ ہندوستان جیسے عظیم ملک کے باشندوں کو قرآنی دائرے کے مذکورہ بالا

احاطہ سے خواہ مخواہ باہر سمجھا جائے، بلکہ تحقیق و تلاش سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی کا آبائی اور موروثی دھرم قرآن کے پیش کئے ہوئے دین سے جتنا زیادہ قریب اور نزدیک ہے، شاید یہ نزدیکی ان دینوں اور مذہبوں کی موجودہ شکون کو بھی ہر شکل میں سرا سکتی ہو، جن کو یورپ والوں کی مذکورہ بالا فرضی تقسیم کے رد سے سامی ادیان کی فرست میں ہم شریک پاتے ہیں، حالانکہ محض چند سرسری باتیں، اور وہ بھی صرف ایک کتاب مابھارت کے مختلف مقامات سے اخذ کر کے آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں، لیکن قرآن کے پڑھنے والوں سے میں حتیٰ کی گواہی کی درخواست دیتا ہوں، توحید فی الخلق، توحید فی النبی، توحید فی الافعال یا قانون برداشتم (نیک و بدی) اس قانون کے نتائج انجنتہ والنار توبہ و استغفار، الغرض ان سارے اصولی حقائق جن پر قرآنی تعلیم کی بنیاد قائم ہے، کیا وہی ساری باتیں مابھارت میں بھی نہیں مل رہی ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ بعض بعض فقرے مابھارت کے مذکورہ بالا حوالوں میں ایسے بھی ہیں کہ قرآن کی عربی عبارت کے سامنے بطور ترجمہ کے ہم ان کو آبائی درج کر سکتے ہیں،

اور یہ قصہ صرف ممبر و معاد نیک و بدی ہی کے تفصیلات تک محدود نہیں ہی، بلکہ اخلاقی فضائل

ورذائل کی جو فرست اسلام میں پائی جاتی ہے، بھنبہ یہی فرست و یک دھرم کی بھی ہے، بلکہ ایسی چیز جو عموماً اسلام کے ساتھ مختص سمجھی جاتی ہیں، مثلاً جو شراب خوری ان کی حرمت کا بھی بار بار ذکر اس

کتاب میں کیا گیا ہے، قمار (جوا) کی اہمیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ مابھارت کا موضوع ہی ایک حیثیت سے اگر سمجھا جائے تو قمار یعنی جو کوئی کے نتائج اور انجام کو بیان کرنا ہے، یہی بتایا گیا ہے کہ یہ

ساری خوریزبان جو مابھارت کی جنگ میں ہوئیں اور جیسا کہ اسی کتاب میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ کرور ہا کرور انسان جو اس جنگ میں مارے گئے، سب کا خون پائندہ اور کورو خاندان کے خاندان

۱۵ اشتری پرپ دسوان ادھیائے ۱۱ ہندوستان کی زبانی مقتولوں کی تعداد ایک ارب چھیٹھ کروڑ میں ہزار ہائی گئی ہو



کے شاہزادوں کے جذبہ قمار بازی کے سرعائد ہوتا ہے، اگرچہ بازی کے نتیجے کو دکھلانے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب مرتب کی گئی، مگر حیرت ہوتی ہے کہ بہت سی باتیں جو ہندوستان میں عموماً مروج ہیں، بلکہ عام طور پر دین اور دھرم کے نام لینے والے جن اعمال کو اپنی خصوصیت قرار دیتے ہوئے ہیں، ان کے متعلق بھی اسی مابھارت میں وہی نقطہ نظر اختیار کیا گیا ہے، جو اسلام کا ہے، مثلاً ادیوگ کے دسویں دھیا میں بدرجی کا ایک طویل اپدیش کو نقل کرتے ہوئے ان فقروں کو بھی ان ہی کی طرف ہم منسوب پاتے ہیں کہ

”تھار کا زخم بھر جاتا ہے مگر کھٹور پن کا زخم کبھی نہیں بھرتا، جب تک انسان کی نیک نامی دنیا میں رہتی ہے، تب تک وہ زندہ سمجھا جاتا ہے، قسم کھانے والے کی بات

کا اعتبار نہیں رہتا“

اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ہو کہ

”شاہ ریک یعنی ہاتھ کا ریکھا دیکھنے والا، سگون بنانے والا، چوٹی“

ان سب کو

”بے شرم بھڑوا، اگر یہ گرنے والا، اپنی اشری (عورت) کا خرچی کھانے والا، برہمن ہو کہ

شراب پینے والا“

کی فہرست میں شریک کیا گیا ہے، حالانکہ آج ہاتھ کا ریکھا دیکھنے والے اور سگون بنانے کا پیشہ کرنے والے ہی اس ملک میں دین کے پیشوا سمجھے جاتے ہیں، یہی نہیں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بھکشا لینا، اور بھیک مانگنا یہی برہمن کا مذہبی فریضہ ہے، لیکن اسی مابھارت میں ہم بھکاری اور گداگر برہمن کے متعلق یہ الفاظ پاتے ہیں :-

”جو برہمن سوال کرنے والا ہوتا ہے، اس کی عزت نہیں ہوتی، ان اس کا دور ہو جاتا ہے

سوال کرنے والے برہمن کا خوت چور کا سا ہوتا ہے“

اور آخرین ہے :-

”بھیک مانگنے والا مرنے والا ہے، دان کرنا کبھی نہیں مرنے والا“ (انوساس پر چودھواں ادھیائے)

اسی طرح آج ”بیاج“ یعنی رہا یا سود خوری اس ملک میں جس قوم کا خصوصی پیشہ سمجھا جاتا ہے، اسی کی دینی کتاب میں ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ

”بیاج (سود) کھانے والا کائنات (کھانا) بٹھا (گوہ) سمان (مانند) کہا ہے“

(شانتی پر ۱۲-۱۱ ادھیائے)

میرے سامنے اس وقت تفصیل نہیں ہے، انشاء اللہ کسی مستقل مقالہ میں اپنے معلومات کو جمع کر کے پیش کر دوں گا، سر دست صرف سرسری باتوں کا ذکر کر رہا ہوں، خیال تو کیجئے، پانی سے نظیر یا پاکی تو خیر عام بات ہی، لیکن ہماری فقہ کا ایک جزئیہ ہے، کہ آفتاب سے یہی چیزیں پاک ہوتی ہیں، ٹھیک اسی جزئیہ کو ان الفاظ میں آپ مابھارت میں بھی پا دیں گے،

”سورج کی کرن سے سب بتو (پیزن) پوتر (پاک) ہوتی ہیں“

(اد پر ۱۴ ادھیائے)

حدیہ ہو کہ غسل کے ساتھ قریب قریب وضو کے مسئلہ کو بھی آپ چاہیں تو پاسکتے ہیں، عباد کرنے

لے اسی ادھیائے میں ایک فقرہ جس میں اچھے برہمن کی خصوصیتوں کو بتاتے ہوئے ایک خاص علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ جو برہمن

”ڈاڑھی مونچھ رکھنے والے ہیں ان کو نیوتہ دے کر اچھے پدارتھ بھوجن کراؤ“ (انوساس پر ۱۱ ادھیائے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مونچھ ڈاڑھی ہمارے وطن میں پرہیزگار انسانوں کی علامت ہمیشہ

مانی جاتی تھی ۱۲



سے پہلے کیا کرنا چاہئے اسی کا جواب دیتے ہوئے حکم دیا گیا ہے،

مکمل ہو تو نشان غسل کرے نہیں تو ہاتھ پاؤں دھو کر آجھن (کلی) کر کے شدھ (پاک)

آسن (جگہ) بیٹھ کر نارائن (خانی عالم) کا سمرن (ذکر) دھیان چپ وغیرہ کرے۔

(شانتی پرپ ۱۲ ادھیائے)

اسی طرح صدقہ خیرات تو خیر مذاہب و ادیان کی عام بات ہے، لیکن معاہدات میں اطلاع

دی گئی ہے کہ سب سے پہلے منوجی نامی راجہ کو راج ملا، اور ان سے پر جانے وعدہ کیا، کہ آپ

سوار پالین کریں، ہم پشوؤں کا، اور سونے کا، پچاسواں بھاگ (حصہ) اور ناج کا دسواں

(حصہ) خزانہ کی ترقی کے لئے .... تمہارے خزانے میں داخل کریں گے۔

(شانتی پرپ ۱۹-۱۸ ادھیائے)

زکوٰۃ کے قانون کی تشکیل کرتے ہوئے پشوؤں (السواہم یعنی بھیڑ بکری گائے اونٹ وغیرہ)

اور ذروں وغیرہ سے اسلام نے جس قدر زکوٰۃ ٹھکانے کا حکم دیا ہے، اور عشر یعنی دسواں حصہ زمین سے

پیدا ہونے والے ناج کا صدقہ جو طلب کیا گیا ہے، اس کو اپنے سامنے رکھے، اور معاہدات کی مذکور

اطلاع کو پیش نظر رکھے اور غور کیجئے اُن قرآنی آیات پر جن میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے اگلے باپاؤں

کے پس جو کچھ آیا تھا، کیا اس کے سوا قرآن تمہیں کچھ اور دے رہا ہے، یا ارشاد ہوا ہے،

لَبَّيْكَ يَكْرُمُ الذِّينُ مِنْ

تاکہ جو تم سے پہلے گزرے ہیں، اُن کے طو

اور طریقوں کی طرف تمہاری راہ نمائی

(النساء) کی جائے،

قرآن کے ان دعویٰ کی تصدیق کے لئے من نہیں سمجھتا کہ اور کیا چاہا جاتا ہے، ذرا ملاحظہ کیجئے،

جرائم کے سلسلہ میں چوری کے جرم کی سزا قرآن میں جیسا کہ مشہور ہے، یہ مقرر کی گئی ہے کہ چور کا ہاتھ

کاٹ دیا جائے، ظاہر ہے کہ اصل مقصود تو چوری کا انصاف ہے، جرم کے انصاف ہی کے لئے یہ سزا مقرر

کی گئی ہے خود قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اور نوا اور حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا دوسرا نام اسرائیل

تھا، اور ان ہی کی طرف منسوب ہو کر یہودی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئے، ان ہی یعقوب علیہ السلام

کے صاحبزادوں کی زبانی قرآن میں چوری کی سزا ان کے پاس مروج تھی، یہ بتایا گیا ہے کہ چوری کا مال

جس کے پاں بکھے، خود اسی چور پر مال کا مالک قبضہ کرے، سورہ یوسف میں یہ مشہور اقرار حضرت یعقوب

علیہ السلام کے صاحبزادوں کا منقول ہے،

قَالَ اجْزَاكَ لِمَنْ وَجَدَ فِي

دَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاءُكَ كَذَلِكَ

بخاری المجمعین

چوری کا مال ملے وہی اس کا بدلہ ہے،

ہم جرم کرنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں،

جس سے معلوم ہوا کہ چوری کے انصاف کے لئے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے لئے

نسخہ بد (ہاتھ کاٹنا) کافی نہ تھا، کٹے ہوئے ہاتھوں کے باوجود بے شرمی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ان

کے چور چوری سے باز نہیں آتے تھے، اس لئے اس سے زیادہ سخت سزا ان کے یہاں غالباً مروج ہو گئی تھی،

لیکن آئیے اور دیکھئے، ویدک دھرم جسے شمار کرنے والے سامی مذاہب کے مقابلہ میں آریائی دین کی

فہرست میں شمار کرتے ہیں، اس میں اسی چوری کے جرم کی سزا کے متعلق جو لگا ہی معاہدات میں سے

حاصل ہوئی ہے، اس کا اندازہ آپ کو اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، ایک شخص چوری کے جرم کا ترکب

ہوتا ہے، اور وقت کے راجہ سودمن کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے، خود چور درخواست

کرتا ہے کہ

”جو ڈنڈ (سزا) چور کو ہوتا ہے وہی ڈنڈ مجھے دو۔“



ماہر نے چوری کی سزا دیتے ہوئے چور کے متعلق

”کلم دیا کہ دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو“ (شانتی پر پادھیائے)

بتائیے کہ اصولاً و فرداً کس لحاظ سے ہم یورپ والوں کے اس مشاغبہ (پروپاگنڈے) سے متاثر ہو سکتے ہیں کہ ہندوستان کے آریائی دھرم کا قرآن کے سامی دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، حالانکہ ہندو اجمال اور بہت زیادہ اجمال سے کام لیا ہے، لیکن اس وقت تک جن معلومات کو پیش کر چکا ہوں اور دہمی اور فرضی بلکہ درحقیقت خود غرضانہ سیاسی دعویٰ کی تردید کے لئے کیا وہی کافی نہیں ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہما بھارت میں بعض موقعوں پر لوگوں کے جو مکالمے نقل کئے گئے ہیں، ان کو تو آدمی یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ کتاب کیا اسی زمانہ میں لکھی گئی ہے جس سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں ایک جگہ بدھ شٹر فائٹ اور بھیشم پٹھان کی باہمی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے بدھ شٹر کی طرف یہ سوال منسوب کیا ہے کہ

”بدھ شٹر نے پوچھا ناراج! نش (آدمی) کا شریر (بدن) کو اسی جگہ جلا دینے ہیں

یا پر تھی میں گاڑ دیتے ہیں“

(انوساسن پر پ ۲۰-۱ ا دھیائے ۱)

یہ سوچنے کی بات ہے کہ آج تو ہندوستان میں ہندو اپنے مردوں کو جلاتے اور مسلمان گارڈ بنے لیکن بدھ شٹر کے مذکورہ بالا سوال سے کیا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جلانے کے ساتھ ساتھ تدفین کا عمل ملک میں ہما بھارت کے زمانہ میں بھی جاری تھا، حالانکہ یہ رسم و رواج کی بات ہے، لیکن اس سے بھی دیکھئے تو آج جو کچھ بیان دیکھا جا رہا ہے کل بھی یہی دیکھا جا رہا تھا،

اور میں اس سلسلہ میں کہاں تک لکھوں، حد سے زیادہ اختصار کے ارادے کے باوجود خواہ بات میں بات یاد آتی چلی گئی، اور میں لکھتا گیا، ورنہ کہنا تو صرف یہ تھا کہ ادیان و مذاہب کو آریائی

وغیرہ فرضی خود تراشیدہ تقسیموں کے گورکھ دھندوں میں بھنسا کر یورپ والے سیاسی اغراض کی تکمیل میں جو کام لیتے ہیں، چاہئے کہ لوگ ان کی شاذ و نادر طریقہ عمل سے جو کما رہیں، اور نظر ہمیشہ حقیقت پر رکھنی چاہئے، حالانکہ بہت کم کہا گیا ہے کہ لیکن بقدر ضرورت اصول و فروغ رسم و رواج کے لحاظ سے جن باتوں کا ذکر سردست میں نے کیا ہے فیصلہ تک پہنچنے کے لئے انشا اللہ ان سے بھی کافی مدد مل سکتی ہے،

ہن بہ ماننا ہوں کہ جیسے مسلمانوں میں مختلف اسباب و مؤثرات کے زیر اثر بعد کو مختلف خیالات اور نئے نئے دینی نظریات پیدا ہوئے، اسی حادثہ کا شکار ہندوستان کا آریائی اور موروٹی دین بھی ہوا ہے۔ ہندو دھرم کی یہ تاریخ کتابوں میں محفوظ بھی ہے، اور اسی کا نتیجہ یہ ضرور ہوا ہے کہ مختلف زمانہ میں عقائد و خیالات کے زیر اثر اس ملک کے باشندے ہوتے رہے ہیں، خود اسی کتاب ہما بھارت ہی کے پڑھنے سے ان مختلف نظریات و خیالات کا اندازہ ہوتا ہے، بلکہ ہما بھارت ہی کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ عقائد و خیالات کی گونا گونی رنگارنگی سے لوگ پریشان تھے شانتی پر پ کے ا دھیائے ۹ میں گانورشی کی طرف یہ فقرہ منسوب کیا گیا ہے کہ ناروجی کو خطاب کر کے گانورشی نے کہا

”بہت سے شاستروں کے ہونے سے کلیان (اطمینان) بہت گت (غائب)

ہو رہا ہے“

گانورشی نے یہ بھی کہا کہ

”ہے ناروجی شاسترا کی ہی ہوٹو نشی (شک و شبہ) نہیں ہو سکے“

آخر میں ہوئے

”اسی لئے (یعنی شاستروں کی کثرت کی وجہ سے) مجھے بہت سندھیدہ (شک و شبہ)

ہیں، آپ ان کو دودھ کیجئے،



بہر حال مہاجرات ہی کے زمانہ میں جب یہ حال تھا تو اس کے بعد کیون تجب کیا جائے اگر آج ویدک دھرم کے ماننے والوں میں مذکورہ بالا بہت سی چیزیں نہیں پائی جاتیں، خصوصاً خالق عالم ہی کی عبادت اور اسی کی پوجا و نمائش (نجات) کا واحد ذریعہ ہے اس کا یقین اس ملک کی عمومیت میں باقی نہیں رہا ہے، حالانکہ اسی شائستگی پر ب کے ادھیائے (۵۸) میں اتم مارگ صراطِ مستقیم و طریقہ وسطیٰ یا سب سے بہتر راہ کے متعلق ایک مکالمہ شیوجی اور برہما جی کے درمیان نقل کرتے ہوئے ایک فقرہ برہما جی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے،

سے راجن! اسی نارائن پر ہم کو پوجنا جوگ (واجب) ہے، جو ب کا اپنتا استھان (مصدر و سرچشمہ) ہے۔

آخر میں ہے:-

اسی کے پوجنے سے ناکش (نجات) پراپت (میسر) ہوتا ہے،

ویدک دھرم کے قدیم مذہبی ڈھانچے (ویدا یا اپنشد وغیرہ) میں نہیں، بلکہ مہاجرات جیسی عام کتاب جو شاید اب بھی ہندو گھرانوں میں روزانہ پڑھی جاتی ہے، جب اس میں بھی یہ موجود ہے کہ نجات اہمکتی کا جو طالب ہر اس کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ خالق عالم ہی کی عبادت کرے اور اسی کو پوجے اسی سے لوگائے مگر باوجود اس کے اس عقیدہ کا دباؤ ملک عام آباد کاروں پر سے کیوں اٹھ گیا، اور یہی نہیں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اسی مہاجرات میں جہاں مذکورہ بالا توحیدی عقائد خدائے مہتے ہیں، وہیں اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس عقیدے کی مخالفانہ شہادتوں کو بھی ہم کی کتاب میں پاتے ہیں اور کثرت پاتے ہیں

ایک یہی کیا دین اور دھرم کی دوسری بنیادی حقیقت اور جوہری عنصر یعنی پاپ پن نیکی اور بدی "برہم" کے نتائج کے سلسلے میں یہ سوال جو پیدا ہوتا ہے کہ سرگ اور زک یا اجنتہ والنا "تو

انسانی عالم عمل گیان اور کرم کا آخری انجام ہے، جو قیام قیامت اور فیصلہ کے بعد سامنے آئے گا، لیکن موت کے بعد اور قیامت سے پہلے درمیانی وقفہ میں مرنے والوں پر کیا گذرتی ہے، اسلام میں بھی اس سوال کا جواب یہی ملتا ہے کہ کثیف جسم کو چھوڑ دینے کے بعد انسان کی وہی تخلیقی قوت جو دیو یا خواب میں عمل کرتی ہے، اور دیکھنے والے جن حالات میں ہوتے ہیں، ان ہی حالات کو خاص خاص شکلوں میں خواب کے اندر دیکھتے ہیں، زکام میں جو مبتلا ہے، خواب میں پاتا ہے کہ پانی میں تیر رہا ہے، منہ کا غلبہ جن پر ہوتا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ اک لگی ہوئی ہے، حالانکہ خواب میں کثیف جسم سے رشتہ منقطع نہیں ہوتا، لیکن سو جانے کی وجہ سے اس کثیف جسم کے آثار سے گونا گونا گویا میسر آتی ہے، پھر موت کے بعد جب خاکی کا بکاوہ دباؤ بالکلیہ اٹھ جائے گا، تو علماء اسلام امام غزالی شاہ ولی اللہ وغیرہ محققین کا خیال یہ ہے کہ اخلاق و عادات، جذبات و عواطف اور ان ہی کے مطابق اعمال مرنے والوں کے سامنے مختلف صورتوں میں آتے ہیں، صحیح حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی باتیں روایت کی گئی ہیں کہ اُنہوں اور ساپنوں کو مرنے والے مرنے کے بعد دیکھتے ہیں، ان فرس سانپ بچھو چو ہے، سور وغیرہ وغیرہ جیسے جانوروں اور حشرات الارض جیسی چیزوں کا ذکر کتابوں میں کیا گیا ہے، بلکہ بعض روایتوں سے تو ظلم ہوتا ہے کہ میدان قیامت میں آنے والوں کو بندروں، سوروں کی شکلوں میں بھی دیکھا جائے گا، بہر حال باوجود ان تصریحات کے جیسا کہ گذر بھی چکا کہ

۱۔ قیامت کبریٰ کے عقیدے کا ذکر کثرت ویدک دھرم کی کتابوں میں تھا پرلے کے نام سے کیا گیا ہے، مہاجرات میں بھی ہے کہ

"ہا پرلے (قیامت کبریٰ) میں دیوتا اور سرگ وغیرہ سب ناشر ہو جاتے ہیں ایک پیشور

(خالق عالم، اجبت (قدوس)، انبائی (لافانی)، باقی رہتا ہے" (۱۔ بن پر ۹۲-۱۰۱ ادھیائے)

جو کئی من علیہا فان و بیقی وجہ زکب ذوالجلال واکا کراہ قرآنی آیت ہی کا اصل اور خلاصہ ہے، بعض بزرگوں



"آدمی تب اس لوگ (عالم) میں کرتا ہے اور پھل دوسرے لوگ (عالم آخرت) میں پاتا ہے"

(بن پر ب ادھیائے ۹)

بکثرت نما بھارت میں اس مغنوں کو دہرایا گیا ہے، استری پر ب کے تیسرے ادھیائے میں یہ کہتے ہوئے کہ

کوئی باک پنہ (بچپن) کوئی ترن اوستھا (جوانی) کوئی بڑھاپے میں شریر (بدن)

چھوڑتے ہیں"

آخر میں ہے:-

"اس اسار (ناپائدار) منسار میں رہتا کسی کو نہیں ہے"

خود نما بھارت کی تالیف جس کی طرف منسوب ہے یعنی ویاس جی نے جد ہشتر کو یہ سمجھاتے ہوئے کہ جنگ میں جو مارے گا وہ ان کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے، کہا تھا کہ  
اسی بھاری سنگرام (جنگ) میں جو مارے گا وہ کسی پر کار سے پھر نہیں آسکتے"

(شانتی پر ب، ادھیائے)

بقیہ تاریخ میں، اس کے حال میں لکھا ہے کہ مجھوں میں نقاب ڈال کر انھوں پر جاتے پوچھا گیا تو بولے عمو ما لوگ مجھے بندروں، سمدون، اکتون وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں، حضرت معاذ بن جبل صحابی تھے ایک حدیث بھی مروی ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ قیامت کے دن جن اٹھنے والے ان شکلوں میں آئیں گے یعنی

بعضہ علی صورۃ القردۃ بعضہ علی

بعض بندروں کی شکل میں بعض سورن

کی شکل میں

صورۃ الخنازیر

اور یہ بھی فرمایا گیا کہ قتات (جہنم) میں بندروں کی شکل میں اور حرام خورد سورن کی شکل میں ہونگے، (در مشورۃ بجا ابن المنذر) وہید بن حمید (غیرہ) ہر حال میں دعایت کا حامل بھی یہی ہے کہ قیامت سے پہلے اور موت کے بعد درمیانی وقفہ میں عادات و اخلاق اعمال و انحال کی تابع صورتیں ہو جاتی ہیں، اور ان ہی صورتوں کے ساتھ میدان قیامت میں وہ آئیں گے قرآنی آیت قرآنی خواجہ کی تعبیر کن ہوں بن پڑھئے،

"کسی پر کار کا لفظ قابل غور ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ مرنے والے پھر اس دنیا میں خواہ کسی شکل میں ہو، واپس نہیں ہو سکتے، لیکن باوجود ان تمام باتوں کے یہ واقعہ ہے کہ عام طور پر ہندوستان میں یہی خیال پھیل گیا کہ اسی سنسار اور دنیا میں جو پٹے پھرتے جانور چند پرند اور درندہ نظر آتے ہیں ان میں کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ مرے ہوئے آدمیوں کو پھر اس دنیا میں ان جانوروں کے جون اور قالب میں پہنچنے پھرنے کا موقع دیا گیا ہے، گویا یہ یاد رکھا جاتا ہے کہ ادا گن کا نظریہ جس کا عام تلفظ ادا گون ہے اس کا مطلب یہی ہے

فلسفہ کی عربی کتابوں میں تنازعہ کے جس مسئلہ کا ذکر پایا جاتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ اسی کے قائل ویدک دھرم کے ماننے والے بھی ہیں حتیٰ کہ اسی بنیاد پر بہت سے لوگ جنھوں نے ویدک دھرم کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے، وہ خیال کرتے ہیں کہ جنت و دوزخ کا عقیدہ سامی مذاہب کی خصوصیت ہے، اور آریائی دیانات میں بجائے جنت و دوزخ کے عقیدہ کے تنازعہ کا عقیدہ پایا جاتا ہے خود مسلمانوں میں اچھے پڑھے لکھے لوگوں سے یہ سن کر تجھے تعجب ہوا، حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ سرگ اور نرک کے الفاظ سے ویدک دھرم میں وہ سب کچھ پایا جاتا ہے، جسے مسلمان انجنت و النار کی تعبیر میں ادا کرتے ہیں، گفتگو صرف درمیانی وقفہ کے متعلق ہے جس سے قیامت سے پہلے ہر مرنے والے کو موت کے بعد سابقہ ہوتا ہے، عام طور پر مسلمانوں میں برزخ کے لفظ سے اس وقفہ کو موسوم کرتے ہیں، اگر ادا گن کے نظریہ کا تعلق بجائے موجودہ دنیا کے برزخ ہی کی طرف منتقل کر دیا جائے، تو واقعہ یہ ہو کہ یہ سامی اور آریائی تقسیم کا کیل یورپ کے سیاسی بازیگروں کا کھیلا ہوا صرت عقلی تلاعب بن کر رہ جاتا ہے، اور بے شمار منطقی تضاد و تناقض سے بھی وہ عقیدہ پاک ہو جاتا ہے جسے ویدک دھرم والوں کی طرف منسوب کیے ہوئے ہیں

نے منسوب کر دیا ہے"

اس مطلب پر ہو کہ ہندوستان میں بہت سے جانوروں کو غیر معمولی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، جن میں گائے، گھوڑے



لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ جیسے مسلمانوں کے مختلف فرقوں نے اسلامی عقائد و مسائل کی تشریح مختلف شکلوں میں کر کے اپنا ایک خاص مسلک بنالیا ہے، اور کوئی کسی کو اپنی تشریح کے ماننے پر مجبور نہیں کر سکتا، تو پھر ویدک دھرم کے مختلف مکاتب خیال اور اسکولوں میں اس مذہب کے سمات کی جو تشریحیں آج مافی جا رہی ہیں، ہم ضرور ان تشریحوں کے ماننے سے ان کو کیسے باز رکھ سکتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی حد تک تو گو نہ گنجائش بھی ہے کہ ان کی آسمانی کتاب (قرآن عزیز) تاریخی طور پر ہر قسم کی بیرونی آمیزشوں سے اس وقت تک پاک ہے، اس کو وہ بھی مانتے ہیں اور ماننے پر مجبور ہیں، جنہوں نے ابھی قرآن کو خدا کی کتاب نہیں تسلیم کیا ہے، اسی لئے مسلمانوں پر تو یہ اصرار شاید بے جا اصرار نہ ہو گا کہ کم از کم قرآن کے حدود سے تو باہر نہ ہوں لیکن مابھارت جیسی ضخیم کتاب جس میں سب ہی طرح کی باتیں ملی جلی پائی جاتی ہیں، ہر خیال والے اپنی تائیدی شہادت اسی کتاب سے حاصل کرتے ہیں، اور کر رہے ہیں، بقول علامہ عبدالقادر بدایونی ہیشود ہزار عالم اس کتاب میں پوشیدہ ہے، اس لئے اس کتاب کے ماننے والوں کا مسئلہ کافی دشوار ہو گیا ہے، کانٹوں سے پھول عقل کے زور سے چٹنا آسان نہیں ہو سکتا عقل نے بسا اوقات کانٹوں کو پھول اور پھولوں کو کانٹا بنا کر دیا، انسانی عقل کی تاریخ اس کی شاہد ہے، مسلمانوں کی طرح قرآن کو فیصلہ کی حیثیت سے استعمال کرنے کا حق بھی ان کو اس سے حاصل نہیں ہوا ہے کہ

(بقیہ جلد ۶۹ ص ۲۷۹) سانپ وغیرہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اب اگر یہ مانا جائے کہ مذکورہ بالا حیوانات سترائے انسانوں کی شکلیں ہیں، تو کسی گندہ کاری و جود کے محترم ہونے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں، اس واسطے اس کے مابھارت ہی کے ادھر پ ۱۹، ادھیائے میں آفرینش عالم کی داستان کو اس قسم سے شروع کر کے کہ ابتداء میں صرف برہمن پر اتنا معنی خدا تھا، اور پانی میں زمین نائب تھی، آگے بیان کیا ہے کہ کتب جی کی گیارہ جڑوں سے ہاتھی گھوڑی، چر، اونٹ، بھیر، کبھی، شیر، ہرن گائے، بیل، بھینے وغیرہ چار پائے اور بانڈکوتر، بلی، بٹ، مینا، گرگ، وغیرہ پندے اور سانپ، گر، اور بھلیاں آبی جانور اور کبوتر، کھڑے وغیرہ پیدا ہوئے، ایسی صورت میں یہ خیال کہ ساری جانور انسانوں کی منزلی نائب ہیں گمان تک درست ہو سکتا ہے، ۱۲

قرآن ساری آسمانی کتابوں کا آخری مکمل ترین اڈیشن ہے، یہی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے، بہر حال اس وقت میرے سامنے یہ مسئلہ ہی نہیں، ویدک دھرم کے صحیح عقائد و اعمال کیا تھے؟ تاریخی افلاکات و موثرات سے گذرتے ہوئے اب ان کی شکل و صورت کیا ہو گئی، اولاً یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے اور کوئی کرنا بھی چاہیے تو بجا ہے دوسروں کے خود اس دھرم کے ماننے والے اس تحقیق کو زیادہ مستحق ہیں اپنی کی تحقیق دھرم کے ماننے والوں کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے، میں تو صرف یہ کھانا چاہتا تھا کہ قرآن نے جو یہ پوچھا تھا کہ ان کے پاس کیا کوئی ایسی باتیں آئی ہیں جو ان کے اگلے باب داروں کے پاس نہ آئی تھیں؟ اس سوال کا رخ جیسے دنیا کی دوسری قوموں اور امتوں کی طرف ہڈی اسی طرح واقعات کی روشنی میں دکھانا چاہتا تھا کہ ویدک دھرم والوں کے یاں بھی ہیں وہی چیزیں ملتی ہیں جنہیں قرآن کے ذریعہ آخری دفعہ قدرت نے بھی بنی آدم کے سپرد کرنا چاہا، خواہ ان چیزوں کو ان کے حقیقی خفا و خال کے ساتھ ماننے والے مان رہے ہوں یا نہ مان رہے ہوں، لیکن ملنے کی حد تک آپ نے دیکھ لیا کہ جیسے دوسروں کے یاں ہیں قرآنی تعلیمات کی پرچھائیاں ملتی ہیں، اسی طرح ویدک دھرم کے آئینے میں بھی ان ہی تعلیمات کی تصویروں کا ہم نظارہ کر سکتے ہیں، بلکہ کہا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے دینی آئینہ میں یہ تصویریں جتنی زیادہ نمایاں ہیں، شاید دنیا کے دوسرے ادیان و مذاہب کی موجودہ شکلوں میں ہم ان کو نہیں پا سکتے،

اگرچہ یہ شمسی بات ہے لیکن پچھلے چند دنوں سے یورپ ہی کے بے بنیاد سنسکریٹوں کے زیر اثر بعض لوگوں نے ہندی مسلمانوں پر یہ الزام جو تھوپنا چاہا کہ اس ملک کے کچھ سے ان کا کچھ مختلف ہے، اور باہر سے دساور ہوا ہے، اقدردہ اس وقت اس کا خیال آگیا، جب کبھی اس کچھ کی اعتراض کی خبر میری کانٹوں تک پہنچی، پہلے تو یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک ہی ملک کے باشندوں میں بعضوں کے کچھ کو ہندی کچھ اور ان ہی باشندوں میں سے بعض دوسرے طبقات کے کچھ کو غیر ہندی کچھ قرار دینے کی بنیاد آخر کس منطق پر



قائم و ہندی کلچر ہندوستان کے مذہب والوں کا کلچر و خرافہ دروازہ کلچر ہو یا اس ملک کے ان باشندوں کا کلچر ہو، جن کا مذہب اسلام ہے، وطن ہونے کی حیثیت سے ہندوستان سب کا وطن ہے، بلکہ جو ناشک یا آدمی بے دین اور غلوگ ہیں، ان کو آپ اور جو کچھ جی میں آئے کیے، لیکن یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کا وطن نہیں ہے، اور وہ اس ملک کے وطنی حقوق سے محروم ہیں، اور یہ تو خیر عام بات ہے اس میں پریشانی نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کہ ان کا کلچر ہندی کلچر نہیں ہے، اگر کلچر کے اس لفظ میں دینی احساسات و عقائد و خیالات بھی شریک ہیں، اور غالباً مسلمانوں کا امتیازی رنگ ان کے دین اور مذہب ہی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، تو آپ دیکھ چکے کہ اصولی اور بنیادی عقائد ہی نہیں بلکہ جزئیات اور فرد تک مسلمانوں کے دین کی کسی اور کتاب میں نہیں، مہاجرات تک میں بھی جب پائے جا رہے ہیں، تو دین اور مذہب کی وجہ سے مسلمانوں کے کلچر کو غیر ہندی کلچر قرار دینے کا مطلب یہ ہے لفظوں میں ہی تو ہر اک مہاجرات بھی ہندی کلچر سے خارج ہے، اب بن کیا عرض کروں، عموماً اس قسم کی باتیں وہی کرتے ہیں، جنہوں نے نہ مسلمانوں کی کچھ کامیابی دیکھی ہے، اور نہ ویدک دھرم کی کتابوں کو انہوں نے صحیح معنوں میں سمجھنے کی کوشش کی ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن جس نے مسلمانوں کو ساری دنیا کے سچے ادیان اور صادق مذاہب کے صحیح تعلیمات کا جائز وارث بنا دیا ہے اسی وجہ سے

در و دل حق سر مکنو نیم

دارش دوستی دہارو نیم

کا بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم مسلمان بجا دعویٰ کر سکتے ہیں، ایسی صورت میں مسلمانوں کا کلچر قدرۃ ساری دنیا کا عالمگیر کلچر بن گیا ہے، ان کے لئے نہ کسی ملک کا کلچر اجنبی ہے، اور نہ وہ کسی کلچر کے لئے اجنبی ہیں

سے گزرنے کے باوجود شک انہم کے سنگی خدایان میں ساتوین فریاد میں یہ فقرہ بھی ہے کہ میرے قوم و مین اگر کوئی لایعرب بود و پیش رکشتا بود تو اس کو مذہب نہ دی جائے، (اشوک چتر میں ۶۰)

اور میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ واقعات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے کلچر سے مسلمانوں کا کلچر جتنا زیادہ قریب ہے، اس قریب اس مناسبت کا موجودہ حالات میں شاید ہی کسی دوسرے ملک کے ساتھ اور دین کے ماننے والوں کے کلچر کے متعلق یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے، اور اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اشوک کے عہد میں یہ ماننے ہوئے کہ گو ہندوستان میں مختلف ادیان و مذاہب کے لوگ پائے جاتے تھے لیکن ان مذاہب کے اختلافات کی نوعیت وہ نہیں ہے،

جیسا کہ پیران کے ہندومت اور اسلام میں ہے" (ص ۲۵۲ تاریخ قدیم ہند)

قدیم ہند کے مورخ و فنٹسٹ - اے اسمتھ کے مذکورہ فقرے یا اسی طرح دوسری شاطرائہ وسیعہ کا رپورٹ کیا کہ بین حریفوں نے کس زہر کو ملانا چاہا ہے،

## سیرۃ ابی حصہ سوم

اس کے مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان وقوع پر فلسفہ قدیمہ فلسفہ جدیدہ، علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی میں مفصل بحث و تبصرہ ہے، اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکاتیب النبی، وحی نزول، ملائکہ، عالم رویا، معراج، اور شرح صدہ کا بیان ہے،

نیت ۱۔ سیر

## سیرۃ ابی حصہ چہارم

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات تبلیغ نبوی کے اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور ان کے عقائد پر مفصل اور حکیمانہ مباحث،

قیمت :- ع

"پیغمبر"



ماہل ہے، انھوں نے جو کہانیاں حکایات لقمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھیں اور جو نئی زبان اخلاقی لکھی ہیں، وہ اخلاق و موعظت اور تادیبات و نتائج کے لحاظ سے ارباب بصیرت کے لئے نادر تحفہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

قائم کی شاعری کا درجہ | شاعری میں قائم کا کیا درجہ تھا، اس کو مشہور مذکرہ نویس تبائیں گے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قائم کے کلام کے متعلق قدیم اور جدید تذکرہ نویسوں کی رائے بہت اچھی ہے، بعض ان کو شیر سودا سے نیچے رکھتے ہیں، اکثر برابر اور بعض ان دونوں پر بھی ترجیح دیتے ہیں، دستور الفصاحت کے مصنف حکیم سید احمد علی خان بکنا لکھنوی اس طرح رقمطراز ہیں،

”چهارم از طبقہ اولی رستم میدان شاعری، سہراب معرکہ سخنوری، افراسیاب ملک سخن طرازی،

دارائے سلطنت نمکتہ پروازی، مقدمہ گردہ شہزاد ثانی، میر و مرزا، شیخ قیام الدین علی المتخلص، قائم کہ عرش نیز محمد قائم بود شاعرے گذشتہ، با قوت و تکلیف، کلامش پر مزہ و نہایت متین،

دیوانش سرا سر انتخاب و اشعار دلپذیرش مثل لالی آبدار ہمہ آب و تاب، تالیف کلمات و بندش الفاظ اولیٰ و نگاہ کنند، قدم بقدم مرزاست، دازہ بھرگی و کشگی، ان اگر گفستہ آید بے شبہ

یا میر و ہم اداس، حق این است کہ پایہ کلام لطافت انجام این سخن طراز، ہیچ وجہ از کسے فروز نیست، عجب طرز لطیف و وضع نفیس اختیار کردہ کر لطف و کیفیت ہر دو اشعار شامل

بلکہ بعض مقام ترجیح طلب است، و فرقی ہمین قدر است کہ آن بزرگ شاگرد مرزاست و بس... باجملہ شخصے کامل بود، ظاہر حال خود را بمیاس و روشنی آراستہ می داشت و ہر محب و محفل کہ با میگذرا

بکمال عزت و احترام استقبالش می نمودند“

جنون گور کچھوری نے بھی تنقیدی حاشیہ مطبوعہ ۱۹۲۵ء میں قائم کے منتخب اشعار پیش کر کے ان کے نغزل کو بہت بلند مرتبہ دیا اور یہ رائے دی ہے کہ قائم کا دیوان ایسے حکیمانہ کلمات سے بھرا ہوا ہے

## قائم چاند پوری

اور

### ان کا کلام

از جناب محمد علی خان صاحب انوار پوری

قائم چاند پوری کے انتقال کو تقریباً ۱۶۲ برس گزر چکے، لیکن ان کے کلام میں خدا جانے کیا سحر ہے کہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اتنا ہی دنیا سے اوکے مشاہیر کی توجہ کا مرکز بنتا جاتا ہے، قائم کے کلام کی شہرت تو ان کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی، لیکن کلام طبع نہ ہونے کی وجہ سے ان کی شہرت مام نہ ہو سکی، اس سلسلہ میں مولانا حسرت موہانی کو ادویت ماہل ہے کہ انھوں نے اردو سے معلیٰ کے رُلا جوڑی مسئلہ میں قائم کے کلام پر تبصرہ کیا، اور دیوان قائم (عطیہ محمد شعیب الدین خان مراد آبادی) کی کل غزلوں کے ردیف و منتخب اشعار ضخیمہ اردو سے معلیٰ نمبر ۱۵۹ء میں شائع کئے، جس کو دیکھ کر محققین ادب کو کلام کی جانچ اور اس پر رائے زنی کا موقع مل سکا اور آئندہ ملنا رہے گا، اس سلسلہ میں جہاں تک اختلافی امور کی تحقیقات کا تعلق ہے، بلاشبہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی خدمات قابل قدر ہیں جنھوں نے قائم کے نام، تاریخ وفات اور نئی زبان کے اختلافات پر روشنی ڈال کر اپنی ایک تفسیر رائے قائم کی ہے،

میری رائے میں قائم کی شاعری کا رنگ زبان اور سوز و گداز کے لحاظ سے میر اور درد سے ملتا جلتا ہے بلاغت و حکمت کے اعتبار سے اکثر کلام ان میں اشعر الحکمۃ کا مصداق ہے جس میں بھین انوار



جو مسائل زندگی پر پلاستشادادی ہے، ان کا تخیل بڑا خلاق ہے، وہ جو باتیں کہتے ہیں، وہ بہت جابج اور جہگیر اور عام فہم ہوتی ہیں لیکن عامیانہ نہیں، قائم غزل کی بدولت غیر فانی رہیں گے۔

**موجودہ تحقیقات کا جائزہ** | مجھے قائم چاند پوری کے پوتے مولوی شاہ حسن صاحب علوی سے معلوم ہوا کہ پروفیسر محمد شیرانی مرحوم نے قائم کے متعلق کوئی مضمون رسالہ ادبی دنیا یا اور نیل میگزین لاہور میں "سعدی صاحب ایم آئی ایس (لندن) نے رسالہ نگار لکھنؤ ۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں لکھے تھے، پندت پدم سنگ شرماساکن ضلع بجنور نے قائم چاند پوری کا بیون جرتہ سنہ سی زبان میں انڈین پریس الہ آباد سے شائع کیا تھا، اور کوثر چاند پوری سابق اڈیٹر جادہ بھوپال سے قائم کے اکثر مثنویہ وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہے ہیں لیکن مجھے باوجود کوشش کے ان میں سے کوئی مضمون دستیاب نہ ہو سکا، اور میری تحقیقات کا دائرہ صرف سرکاری کتابخانہ رامپور کے ایک قلمی نسخہ کلیات قائم تک ہی محدود ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ کلیات قائم کی پانچ نقیصین مختلف مقامات پر ہیں اصل نسخہ کلکتہ لائبریری میں ہے، دوسرا انجمن ترقی اردو کے کتابخانہ میں، تیسرا مولانا حسرت کے پاس تھا، چوتھا رامپور کے کتابخانہ میں اور پانچواں شاہ حسن صاحب کے پاس تھا جو کھو گیا،

میں نے جب رامپور کے نسخہ کی غزلوں کا مقابلہ مولانا حسرت کے نسخہ کی مطبوعہ غزلوں سے کیا تو فرق پایا، اس میں بعض غزلیں ایسی پائین جو رامپور کے نسخہ میں نہ تھیں، اور مولانا حسرت کے نسخہ میں نہ تھیں، اور کچھ ایسی پائین جو رامپور کے نسخہ میں تھیں، اور مولانا حسرت کے نسخہ میں نہ تھیں، مولانا حسرت نے صرف ایک قصیدہ شائع کیا تھا اور رامپور کے نسخہ میں متعدد قصیدے ہیں جن میں سے چند قصیدوں کے منتخب اشعار نمونہ پیش کئے جائیں گے،

**قائم کے حالات سے متعلق** | قائم کے پوتے مولوی شاہ حسن صاحب علوی کے بیان کے مطابق قائم بعض نئی اشعار

کا نام محمد منعم اور منعم تخلص تھا جس کا ذکر میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرے میں اس طرح کیا ہے، "منعم تخلص برادر بزرگ میان محمد قائم از مشاہیر ان نیست لیکن شعرتبہ دارمی گوید، از کلامش پختگی ظاہر است"

قائم کے بزرگ ایران سے ہندوستان آئے، جو مذہب شیعہ تھے، اور قائم بھی اپنے اجداد کے مذہب پر تھے، قائم کی دو بیویاں تھیں، ایک کی اولاد سے مولوی شاہ حسن صاحب ہیں، دوسری بیوی دہلی کی تھیں، جن سے دو لڑکے پیدا ہوئے، اور دونوں دریاے جہان میں بچپن ہی میں ڈوب گئے تھے قائم جوان ہو کر شاہ عالم بادشاہ دہلی کے عہد میں توپخانے کے داروغہ مقرر ہوئے، کچھ دنوں کے بعد درانداز نے بادشاہ کو ان کے شیعہ ہونے کی خبر دی، بادشاہ نے کسی جیل سے ان کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا اور دہلی کے حالات بگڑنا شروع ہو گئے، اس لئے قائم کو مجبوراً اپنے وطن کی طرف لوٹنا پڑا، راستہ میں ایک موضع محمد و زامی متفضل دھام پور ملا، اس کی مسجد میں ایک عرصہ تک اہل سنت کی امامت کرتے رہے فارسی نوگیا خاندانی زبان ہی تھی، عربی میں بھی کافی دستگاہ حاصل تھی، لباس اور قطع وضع بھی درویشانہ تھی، آخر امامت مسجد نے قائم کے خیالات پر اثر ڈالا اور وہ دل سے اہل سنت کے مذہب میں داخل ہو گئے، جب دہلی کے حالات قہرے ساز گار ہوئے، تو اس کے بعد پھر دہلی واپس آئے، اور اپنے عہدہ پر بحال ہو گئے، چاند پور میں جو مکان قائم کے والد نے بنایا تھا، وہ اب تک موجود ہے، اور اسی میں مولوی شاہ حسن صاحب رہتے ہیں، قائم کے علم و فضل کی بدولت پورا خاندان مولوی کہلاتا ہے،

**قائم کا مذہب** | قائم کے شیعہ ہونے کا ثبوت اس رباعی سے ملتا ہے،

جسے کہ یہ باغ وین کی بوٹھی کلی      سنی خلق ساری جھونٹی نکلی  
اصحاب ثلاثہ کی محبت یہ ہے      والا ہی بھی جو کلی تو کھونٹی نکلی  
سنی ہونے کا ثبوت خداوند اپنے آل پیمبر      بحق باطن ہر جا بر سرور



میں ہوں گو قابلِ نارِ جہنم پر تیرے فضل کا دریا ہو کیا کم  
نے وضع سے دوستو کی جی جی نکلا نے جی سے خیال دوستی ہی نکلا  
میں جس سے ملا بقول تورانی یاں سوا آخر کار را فضی ہی نکلا

دلی کی ملازمت کے بعد قائم انور کے قریب ٹانڈے میں نواب محمد یار خان انکھلے بہادر  
کے ملازم اور استاد ہوئے، جہاں مصحفی وغیرہ سے بھی ملاقات ہوئی، شمس اللہ میں نواب سید  
فیض اللہ خان والئی رامپور نواب محمد یار خان کو رامپور لے آئے، اور ان کی سکونت کے لئے کرم  
خان رزڈ کا مکان جو موجودہ قلعہ کے مشرقی جانب انگور والی مسجد کے متصل تھا، عطا کیا، اور  
تفریح کے لئے کرم خان رزڈ کا باغ مرحمت ہوا، جو اب انگوری باغ کہلاتا ہے، ان کے ساتھ  
قائم چاند پوری بھی رامپور آئے، لیکن قیام رامپور کے چند ہی مہینے بعد نواب محمد یار خان کا کیم  
ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ کو انتقال ہو گیا، اس وقت ان کے بیٹے نواب احمد یار خان افسر کی عمر اس  
کی تھی قائم چاند پوری ان کے استاد کی حیثیت سے ایک مدت تک رامپور میں رہے، رامپور  
کے زمانہ قیام میں مولوی قدرت اللہ شوق مصنف طبقات الشعراء قائم کے شاگرد ہوئے، آخر  
میں نواب احمد یار خان کی نافرمانی نے انھیں لکھنؤ جانے پر مجبور کیا، جب وہ لکھنؤ سے اپنے وطن  
اور جہاد کی واداشت کا پروانہ لے کر پلٹے، تو رامپور میں اثری اور اس ارادہ سوار تھے کہ اب کبھی رامپور  
سے نہ جائیں گے، ان کی تدفین نواب محمد یار خان کے مقبرے میں جو محلہ مدرسہ کہنہ میں واقع ہے ہوئی

لے ماخوذ از اخبار العنادید تاریخ ریاست رامپور ۱۲۵۰ مخزن نکات قائم مرتبہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب  
میں نواب احمد یار خان کو نواب فیض اللہ خان کا بیٹا فہر کیا گیا ہے، جو صحیح نہیں، نواب احمد یار خان  
نواب فیض اللہ کے بیٹے تھے، بیٹے نہ تھے، کیونکہ نواب محمد یار خان اور نواب فیض اللہ خان دونوں نواب  
علی محمد خان کے بیٹے تھے،

قیاس یہ ہے کہ انتقال کے وقت قائم کی عمر ۷۵ اور ۸۰ کے درمیان ہوگی،

قائم کا صحیح نام | قائم کا صحیح نام محمد قائم ہی تھا، جو خاندان کے ناموں کے ہم وزن ہے، قیام الدین  
ان کا لقب ہی قرار دیا جاسکتا ہے، قدیم تذکرہ نویسون میں میر حسن دہلوی، اور میر تقی میر نے جو  
قائم سے خود واقف تھے، محمد قائم تحریر کیا ہے، مولوی قدرت اللہ شوق نے بھی جو قائم کے نواسہ  
رشد تھے، محمد قائم ہی لکھا ہے، دوسرے تذکرہ نویسون نے لقب کے نام سمجھ لیا، چنانچہ کسی نے قیام الدین  
سے پہلے محمد کا اضافہ کر دیا، کسی نے آخر میں علی کا لفظ بڑھایا، ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے بھی قیام الدین کو  
صحیح نام قرار دیا، جس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ مخزن نکات قائم میں قیام الدین ہی تحریر ہے،

میری رائے میں اتنے مکمل ثبوت کے پیش نظر جو اوپر دیا گیا جو یہ دلیل زیادہ وقت نہیں رکھتی  
اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ تذکرہ قائم کے نقل کرنے والے نے دوسرے ایسے تذکروں کو دیکھ کر جن  
میں قیام الدین تحریر تھا، یہی نقل کر دیا ہو، اس کے علاوہ یہ بات ادنیٰ غور سے واضح ہو سکتی ہے کہ قیام الدین  
کے نام کے ساتھ قائم تخلص اس لئے زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا کہ اکثر شعرا اپنے نام کے ایک جزو  
کو تخلص قرار دیتے ہیں لہذا اس اصول پر جائے قائم کے قیام تخلص زیادہ مناسب ہوگا،

سال وفات | امیر مینا کی، عبدالحی بدایونی، عبد الغفور نساخت، مرزا علی لطف علی ابراہیم اور کریم الدین  
قائم کا سال وفات ۱۲۱۰ھ لکھا ہے، لیکن ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے جرات کے اس شعر سے:

جرات نے کسی یہ رد کے تاریخ وفات بتائی کیسا قائم نسبتاً دشمن بدی زہی کیا لکھو اب

سال وفات ۱۲۱۰ھ ثابت کیا ہے، چونکہ لفظ قائم لغوی معنوں میں بھی استعمال ہو سکتا ہے جو قائم چاند پوری  
کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس کا اطلاق ہر شاعر پر ہو سکتا ہے، اس لئے میں نے رامپور کے کتابخانہ میں  
جرات کی کئی کئی نسخوں کو بھی دیکھا، لیکن یہ شعر کہیں نہ ملا، بہر حال ایسے حالات میں ڈاکٹر  
صاحب کی تحقیق کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں،



ثنویان | ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ شدت سراوگرما کی دو ذون ثنویان سودا اور قائم کے کلیات میں بے کم و کاست درج ہیں لیکن میر حسن انیسویں قائم ہی کی ثنویان قریب سے ہیں، اور اس پر کے نسخے میں صرف شدت سرا کی ثنوی پائی جاتی ہے جس کے شعر ہیں (جنہا ثنویان بھی مشترک پائی جاتی ہیں ایک خط میں غشیہ ثنوی کا پہلا شعر یہ ہے

اللہی شعلہ زن کر آتش دل تپیر دل دے بعد زخاں دل  
لطف یہ کہ ثنویوں کے آخر میں سودا کے کلیات میں سودا کا اور قائم کے کلیات میں قائم کا تخلص موجود ہے، ڈاکٹر صاحب کی رائے میں یہ ثنوی قائم ہی کی ہے

قائم کی حسن پرستی | قائم کے کلام کی بلاغت، فلسفہ و حکمت، ہمہ گیری اور جامعیت کے متعلق اکثر تذکرہ دار و تبصرہ نگاروں نے جن بلند پایہ راویوں کا اظہار کیا ہے ان کو آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا، اب ان کی صورت اور سیرت کے خدوخال تذکرہ داروں کے آئینوں میں ملاحظہ فرمائیے جس سے واضح ہوگا کہ قائم کا لباس اور وضع شخصہ و نشانہ بھی، اور ہر محب میں ان کا احترام کیا جاتا تھا، وہ صاحب درد، متواضع، خلعت، منذب صحت اور پاکیزہ سیرت، کہتے تھے، البتہ میر تقی میر نے تذکرہ کات اشعار میں قائم کی حسن پرستی بھی روشنی ڈالی ہے، جو کوئی عیب نہیں ہے، تغزل کی بنیاد ہی حسن و عشق پر ہے، جو شاعر محبت کے جذبات سے محروم ہوتے ہیں، اس کی شاعری محض نقالی ہوتی ہے، جس کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، اسی لئے وہ تاثیر سے قطعاً معرا ہوتی ہے، چونکہ قائم کی قسمت میں ایک بلند پایہ شاعر ہونا تھا، اس لئے قدرت نے ان میں ایک حساس دل عطا کیا تھا، تاکہ ان کے غشیہ جذبات صداقت و سحر ہوں اور سننے والوں کو رونا پاویں،

قائم کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حُسن پرستی کی ابتدا، اگرچہ عواذ ہوس سے ہوئی لیکن جذباتی بنیاد پاکیزہ ہونے لگی، اتنا ہی قدم آگے بڑھا گیا، خود فرماتے ہیں

ہوس سے ہم کیا تھا عشق لعل وہی آخر کو ٹھہرا فن ہمدارا  
اسی ابتدائی دور کے چند شعرا و ملاحظہ ہوں

جانا ہے تو جانیو، یہ ظالم دو چار گھڑی تو اور شب جائے  
قائم شب اس کے گھر میں حاجی دل گیا زنجیر درجواب دے ٹمک بھی کھڑک گئی  
یک شب وہ کہیں گود میں سویا تھا قائم پھر بالمش مغل سے بھی آرام نہ پایا  
قائم نے اگرچہ اس کو چہ بن قدم رکھنے کے بعد اخلاص راز کی انتہائی کوشش کی لیکن  
ع :- نہان کے انداز راز سے کر و ساز نہ مخلصا

راز فاش ہو ہی گیا، اور رسوائی کے ڈرنے مقول توجہات اور الزامی جوابات پر مجبور کر دیا، کون ہے قائم اس جگہ جس کو نہیں کسی رٹا  
میری ہی چاہ کی فقط شہر میں دھوم مچ گئی  
ہوں میں رسوا ہے جہاں وضع سوا اپنی ویر جو کوئی اہل نظر سے ہے کہیں مقول ہو  
جب اس سے بھی کام نہ چلا تو دل کو سمجھانا ہی پڑا  
بتان کے ربط سے قائم خل ہو حرمتیں خدا کے واسطے اس قوم کو نہ کر گستاخ  
بونہ یان تخم آرزو سے ہوس کب یہ دل قابلِ زراعت ہو

قائم کی انفرادیت | قائم کے دیوان عشق کے عنوانوں میں اگرچہ دوسرے شعرا کی طرح نالہ و فریاد بھی ہے، گریہ و بکا بھی، زحمت انتظار بھی، رقابت بھی، وعدہ و پیغام و نامہ بری بھی، لیکن انھوں نے عام شعرا کے پامال راستے چھوڑ کر اپنی شاہراہ الگ بنائی ہے، اور ہر مضمون کو قہر و لذت سے نکال کر اوج کمال پر پہنچا دیا ہے

نالہ و فریاد :-

معلوم ہو کس طرح تجھے چاہ کسی کی  
نے نامے میں تاثیر ہے نہ آہ میں یان



دسی ہی آہ، وہ ہی نالہ ہے اب بھی یاں فضل حق تعالیٰ ہے  
 آہ نالہ کا وجود ہے لیکن دل کی گرائیوں میں مخفی اور انداز سے بے نیاز، وہ ایسی دہکتی ہوئی  
 آگ ہے جو تن میں کو جلا دیتی ہے لیکن دھوئیں کا پتہ نہیں بلکہ وہ ایک نعمت ہے جس کو فضل خداوندی  
 سے تعبیر کیا گیا ہے۔

گریہ و بکا :-

مانج گریہ کس کی خوہی کر آج آنسوؤں سے بہا نہیں جاتا  
 مصرع ثانی کی بلاغت داد و تحسین سے بے نیاز ہے،

رحمت انتظار :-

نے وعدہ اس کے ساتھ نہ پیغام کیا کہوں  
 اے راست وعدہ شام سو تجھ بن سحر ملک  
 پوچھے کوئی سبب جو مرے انتظار کا  
 سو بار پھر گیا ہوں میں آا کے در ملک  
 رقابت :-

خدا نہ کر وہ اُسے غیر سے تو کیا مر و کا  
 تھی ایک بات ہمارے ہی یہ جلانے کی  
 نامہ و پیام :-

نامہ و پیام کے مضمون کو مختلف صورتوں میں شعرا نے اپنے مذاق کے مطابق نظم کیا ہے، قائم کے  
 دو شعر بھی ملاحظہ ہوں جس کا مضمون نہ صرف سب الگ اور اچھوتا بلکہ فطری جذبات کی مکمل تصویر ہے  
 ایراد کرنے پڑھ کے ملاحظہ کہ یہ تمام بے ربطیاں ہیں ثمرہ ہنگام استیاق  
 نہ پہنچا کاں تک اُس خلج کے حال مرا خدا بھلا کرے نامے کی نارسانی کا  
 ہوس کے مضامین میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے لیکن قائم نے اس میں بھی اپنی انفرادیت  
 قائم رکھی ہے۔

قائم اور تجھ سے طلب ہوس کی؟ کیونکر مانوں ہے تو نادان مگر آنا بھی بد آموز نہیں  
 یہ شعر گواہ ہے کہ قائم کے جذبات عا میانہ نہ تھے،  
 اب مختلف رنگ کے بلند و پاکیرہ اشعار ملاحظہ ہوں،  
 احساس گناہ :-

ہائے قائم نہ تری آنکھ بچی اک دن  
 اپنی بے باکی :-  
 ابرو دا ہے سدا خوں سیہ کاری سے

دین سے بہرہ نہ کچھ مجھ کو نہ دنیا سے نصیب  
 فریب ہستی :-  
 جانے اس خلقت ناقص سو کیا منظور

تھا بد و نیک جہان سے میں عدم میں آزاد  
 عشق مجازی میں احتیاط :-  
 آہ کس خواب سے ہستی نے جگا با مجھ کو

ہر قدم کوئے تباہ کا رگہ مینا ہے  
 عشق کی عظمت :-  
 دیکھ پنج پنج کے سنبھالے ہو سو ہشیاری سے

بد دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا  
 غنیمت دل  
 مرتبہ عشق کا یاں حسن سو بھی دور گیا

ویر دل جانے کیدھر ہے یہ سنتے ہیں  
 گو کہ دیتا تھا فلک مول ہی دل کو دھواں  
 ان سے جو قافلہ بھولا سو حرم پہنچا ہی  
 اتنی قیمت پہ تو اس مال کو ڈالانہ گیا

منزل مقصود ویر و حرم سے پر ہے ہی  
 خدمت ویر و حرم کی جو میں یک عمر تو کیا  
 درگاہ دل میں تو اب تک شرف اندوز نہیں  
 سب بڑا معلم کتاب دل ہی











## روحانی دنیا

از

از جناب مولوی عبد الماجد صاحب اسٹنٹ ڈائریکٹر اسلامک سٹڈیز بھارت

(۲)

مستمر نیم اور ہینڈ پوزم کے طریقے معروف و مشہور ہیں، اور ان کو اس موضوع کی تمام کتابوں میں دیکھا

جاسکتا ہے،

ریسرچ سوسائٹی نے انہیں طریقوں سے روحوں سے مراسلات کئے ہیں، جو لیگولوجیکل ریسرچ سوسائٹی  
میں شائع ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ مائرس نے اپنی کتاب ہیومن پرسنلٹی (Human Personality)  
میں اور کچھ سرووینر لارج نے سروائیول آف مین (Survival of man)  
میں اور ایک دوسری کتاب ریمینڈ (Raymond) میں درج کئے ہیں،

اس سلسلہ میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ان حکمت عملیوں سے انسانی دماغ کیون عالم اول  
کی سیر کرنے لگتا ہے، اس کا سبب ذیل کی مثالوں سے واضح ہو جائے گا، یہ ہم میں سے ہر شخص کا تجربہ ہے  
کہ جب کوئی شخص کسی ایسے کمرہ کی چیزیں دیکھنا چاہتا ہو جس کے کیوار میں شیشے لگے ہوں، اور ان شیشوں  
پر باہر سے روشنی کا عکس پڑ رہا ہو، تو اندر کی چیزیں اس وقت نہیں دیکھ سکتا، جب تک باہر کے انوکھا  
کو روک نہ دیا جائے، یعنی پہلے دونوں ہاتھوں سے شیشے پر ایک حلقہ بنایا جائے اور دونوں انگلیوں کو  
حلقہ اندر کے شیشے سے ملا کر دیکھا جائے، اس وقت اندر کی چیزیں نظر آتی ہیں، ورنہ نگاہ باہر کے انوکھا

سے الچھ کر رہ جاتی ہے، اسی طرح جب ہم باطنیات کی طرف متوجہ ہونا چاہیں تو یہ ضروری ہے کہ ظاہر  
کے مشاہدات اور تصورات سے اپنے خیالات کو پاک کر لیں، ورنہ خیالات و مرکبات ظاہری ہیں الچھ کر  
رہ جائیں گے،

دوسری مثال اکیسویں کی ہے اس سے پوشیدہ اعضاء نظر آنے لگتے ہیں، اور چمڑے اور گوشت کو  
عبور کر کے ہڈی یا پیچھے پڑے کا فوٹو آتا ہے جس کے ذریعہ ڈاکٹر مرض کی تشخیص کرتے ہیں، اور پوشیدہ  
اعضاء کے اس عکس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاتا، اس کی ایجاد کا واقعہ یہ ہے کہ معذور جن شیشوں  
پر تصویر عکس پڑتا ہے انکو نہایت تاریک کمروں میں ایسی دوائیں پانی میں ملا کر دھوتا ہے جس سے فرو  
وقت انوکھا سرائل ہو جاتی ہے، ایک دفعہ ایک معذور رات کے وقت ایک شیشہ دھونے لگا، او  
کمرے کے تیز روشنی کے بلب کو ایک کاٹھ کے کس میں بند کر دیا، اتفاق سے اس کس کے قریب ہی  
کچھ شیشے دھوئے ہوئے رکھے تھے، ان کو دھونے کے بعد ان میں ایک خاص طریقہ کی سیدھی سیدھی  
لکیریں ظاہر ہوئیں، معذور کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لکیریں کہاں سے آئیں، اس کو شبہ ہوا کہ کہیں اس  
کس سے تو روشنی نہیں نکلی، اس کی تحقیق کے لئے اس نے چند مرتبہ اسی طرح روشنی کو چھپا کر فوٹو کے شیشے  
اس کے قریب رکھ کر دیکھا، تو برابر لکیریں پیدا ہوتی رہیں، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ تیز روشنی کو دھونے  
سے اس کی کرن کسی ایک سمت سے ڈھکنے کو عبور کر کے نکل پڑتی ہے یعنی پردوں سے بھی چھن کر نکل جاتی  
ہے، اس تجربہ کی بنیاد پر اکسے کا طریقہ ایجاد کیا گیا، جس میں بجلی کی روشنی کے عکس کے ذریعہ پوشیدہ  
اعضاء کی حالت معلوم ہو جاتی ہے، اسی طرح جب خیال کی روشنی ہر طرف سے بند کر دی جاتی ہے تو  
بہت دور تک عبور کرتی ہے، اور پردے کے اندر کی چیزیں نمایاں ہو جاتی ہیں، اسی کو نور باطن  
کہتے یا انکشاف، مگر بزرگان دین کے مکاشفات اور مسمریزم یا مینوٹرم کے معلومات میں آسمان وزمین کا  
فرق ہے، ان کی پروا نہ زیادہ سے زیادہ عالم ارواح تک ہو سکتی ہے، لیکن بزرگان دین اپنی



روحانیت کے ذریعہ اس ذات واجب الوجود تک پہنچے ہیں، جو ان تمام اشیاء اور حالات سے واقف ہی نہیں بلکہ ان کی خالق ہے، اس لئے ان کا دائرہ عمل آشنا وسیع ہو سکتا ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا گیا جاسکتا، اس کے علاوہ ان کے مدارج کشف پر فائز ہونے سے پہلے ان کے عادات اعمال اخلاقی خیالات تصورات اور معتقدات کی پوری اصلاح ہو چکی ہے، اس لئے ان کی روحانیت بہت قوی ہوئی ہے، اس لئے وہ ایسے واقعات سے واقف ہو سکتے ہیں، جو ذات باری کے علم و مشیت میں ہوں لیکن کتنے انسان اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں، اس کی تحقیق کا ذریعہ بھی نور باطن ہی ہے،

نہایت افسوس ہے کہ ہماری مادی دنیا میں اس نور باطن سے بے خبری ہے، موجودہ دور میں سکندرفرید کے نفسیاتی تجربات اور اس کے اصول نے روحانیت پر اور بھی زیادہ پردہ ڈال دیا ہے اس کا نظریہ یہ ہے کہ جو چیزیں انسانی تجربوں میں نہ آچکی ہوں، ان کا ادراک شعوری یا غیر شعوری کسی حالت میں بھی نہیں ہو سکتا، چنانچہ وہ روایے صاف کہ مذاق اڑاتا ہے، اس کو عالم استغرافی (Skepticism) یا خواب یا محویت کا نہ تجربہ ہو سکا، اور نہ اس کے متعلق اس نے کوئی تحقیق کی، مگر اب خدا کے فضل سے اس کے بہت سے مخالفین پیدا ہو گئے ہیں، اور یورپ میں روحانی تحقیق کا ذوق پیدا ہو گیا ہے، اور پروفیسر مراد لیور لاج پروفیسر ہیرٹ، پروفیسر ویلیم جمیں وغیرہ جیسے بزرگ ادباء علم نے روحانی مراسلات اور روحانی زندگی کی تحقیق میں پوری عمر صرف کر دی، اس کے ثبوت کے لئے ذیل میں ساگو کو جیل دیسرج سوسائٹی کی رپورٹ میں شائع شدہ چند مراسلات درج کر جائیں گے جن سے اس دنیا کا اندازہ ہو گا،

۱۔ ایک مرتبہ اشاک ہوم کے ڈچ سفیر کی بیوی "مارٹی ویلی" پر ایک سنار نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کو تو فی شوہر نے اس سے چاندی کی کوئی چیز بنوائی تھی جس کی اجرت اس کو نہیں ملی لیکن اس عورت کو یقین تھا کہ اس کے شوہر نے اس کی رقم باقی نہیں چھوڑی ہوگی، چنانچہ اس نے

سٹریٹن برگ (Söderberg) کو اپنے مکان پر بلایا، اور کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو کتاب میں مردوں کی روحوں سے مراسلہ کرنے کی طاقت ہے، تو میرا بی فرما کر میرے شوہر سے یہ دریافت فرمائے کہ کیا ان کے ذمہ سنار کا بقایا صحیح ہے، سٹریٹن برگ نے منظور کر لیا، اور اس عورت کے شوہر کی روح سے پوچھ کر بتایا کہ وہ قرض اپنے مرنے سے چند ہفتے پیشتر ادا کر چکے تھے، اور اس کی رسید اوپر کی منزل پر ایک بین رکھی ہے، عورت نے کہا کہ وہ دراز صاف کیا جا چکا ہے، اس میں کوئی کاغذ نہیں ہے، سٹریٹن برگ نے کہا کہ اسکے شوہر ذرا حرکت بتایا ہو کہ دراز کو کھینچنے کے بعد ایک تختی نظر آئے گی، اس تختی کو کھانے پر ایک چوہہ دراز لے گی، جس میں اس کے پوشیدہ ڈپچ مراسلات رکھے ہوئے ہیں، اسی میں رسید بھی ہے، یہ سن کر ایک پوری جماعت اس عورت کے ساتھ کوٹھے پر گئی، اور دراز کو نکال کر دیکھا تو اس میں ایک چرخانہ ملا جس پر ایک کسی کی نظر نہیں پڑی تھی، اور اس میں وہ رسید مل گئی، ہر شخص کو بڑی حیرت ہوئی، (سر دائیولف میں مقتضہ سر دائیولر لوج ص ۱۲۹)

۲۔ آئر لینڈ کے ایک مشہور شخص کرنل بی کا بیان ہے کہ ان کی بیوی نے اس کو اپنی لڑکیوں کو گانا گانے کے لئے مقرر کیا تھا، اس کی شادی سٹریٹن سے ہو گئی، اور سلسلہ تعلیم موقوف ہو گیا، ۶ سال کے بعد کرنل بی کی بیوی جب حالت نزع میں تھی، تو کہنے لگی، آج میں برابر کسی جانے ہوئے شخص کے گانے کی آواز سن رہی ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی آواز ہے، ایک ایک وہ چپ ہو گئی، کرنل بی کے سر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی، کہ وہ کوئی مین کون ہے، یہ تو جو بیا آکس (مس آکس) معلوم ہوتی ہے وہ آ رہی ہے، وہ تھوڑی طرف جھکی، اس نے ہاتھ اٹھایا، دیکھے وہ دعا کر رہی ہے، اللہ وہ جا رہی ہے کرنل بی کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا کہ گانے کی آواز ادھر یہ نقشہ حالت مرگ کا دہمہ ہو،

دودن کے بعد اخبار ٹائٹس میں شائع ہوا کہ جو بیا سٹریٹن کی بیوی تھا کر گئی، مجھے کو بڑی حیرت ہوئی، میں نے جا کر سٹریٹن سے پوچھا کیا آپ کی لڑکی سٹریٹن کی بیوی تھا کر گئی؟ اس نے کہا کہ ہاں اولادت



کے بعد اس کو بچا راتے لگا، اسی میں گزر گئی، مرنے کے روز صبح ہی سے لگانے لگی، اور مرنے و تم تک برابر گائی تھی

۳۔ ایسا ہی قصہ الیسا مینورس (Elisa Mannors) کا ہے جو مسٹر مارٹس یعنی مسٹر سوسائٹی کے صدر کی قریبی رشتہ دار تھی یہ قصہ مسٹر ہوڈسن (Hodgson) کے تجربات میں سے ایک ہے۔  
سوسائٹی کی رپورٹ مجلد نمبر ۳ کے صفحہ نمبر ۴۷ میں ان الفاظ میں درج ہے:

ڈاکٹر بورس بیان کرتے ہیں، کہ میں مسٹر پائیر کی سنگ میں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک صبا اخبار بوسٹن میں مسٹراف کی موت کی خبر دیکھی، نشست میں پہنچا اس میں تحریر جو آئی وہ ایسا کی طرف کی طرف سے مرسلہ تھا، اس میں لکھا تھا کہ وہ اپنے چچا کی موت کے وقت موجود تھی، اور اس عالم سے کوچ کرتے وقت ان کی جو مدد کی تھی، اس کی تفصیل تھی، میں نے اس واقعہ کو اپنے ایک دوست سے جو ایسا سے واقف تھا، اور مسٹراف کا رشتہ دار تھا، بیان کیا، ایک دو دن کے بعد میرے اس دوست کی مسٹراف کے ایک دوسرے رشتہ دار سے ملاقات ہوئی، جو مسٹراف کے مرنے کے وقت ان کے پاس موجود تھا، اس نے کہا کہ مسٹراف مرنے کے وقت کہہ رہے تھے کہ ایسا ان سے باتیں کرتی تھی، اور ان باتوں کو دہرایا، جو مجھ سے وہی باتیں تھیں، جو ایسا نے مسٹر پائیر کے مراسلہ میں تحریر کی تھیں۔  
۴۔ مسٹر اسٹین موسر (Stainton Moses) ۱۸ اپریل ۱۸۷۷ء کو اپنے مان باپ کے ساتھ

ہڈ فورڈ میں مقیم تھے، اور ایک دن شام کے وقت قدیم مذاہب کے متعلق مراسلہ حاصل کر رہے تھے، اس سلسلہ میں وہ ایک سوال کرنا چاہتے تھے، اور صرف اتنا کہا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ ایک بیک کسی مناسب الفاظ کے ایک نئی نقشہ بن گیا، اور غالب و معمول میں حسب ذیل گفتگو ہونے لگی،

غالب: کیا ہے؟ کیوں اور میان میں رکاوٹ کیوں پیدا ہو گئی؟

معمول: ایک روح کچھ مراسلہ بھیجنا چاہتی ہے، ہم لوگ تم کو اجازت دینے پر مجبور ہیں وہ آسانی سے لکھ نہیں سکتی، لیکن ہمارے بعد مراسلہ بھیجنا چاہتی ہے اس کا نام فنی ڈیوٹی (Fanny Wetoby) ہے

نہ اس کو جانتے ہو،

غالب: مجھے یاد نہیں،

معمول: تمہاری مان اچھی طرح جانتی ہیں، وہ ان کی بہن ہوتی ہیں، تمہاری دنیا سے وہ گذشتہ میں کی پندرہ کو رخصت ہوئی ہیں،

غالب: کیا اس کی شادی ہو چکی تھی؟

معمول: ان اس کا بیاہ نام کرکھم (Kirkham) ہے،

غالب: فنی کرکھم، ان اب مجھے کچھ دھندلی سی یاد آ رہی ہے، وہ مارک بی (Markby) میں رہتی تھی،

معمول: وہ کہتی ہے کہ وہ آل فورڈ میں اس مکان میں پیدا ہوئی تھی، جس میں اب سام پوٹ

رہتے ہیں، اس کے بعد وہ مارک بی میں رہنے لگی، اور بیاہ کے بعد بیچ فورڈ (Beabchford) میں

رہی، اور اس کا انتقال (Horncastle) ہورن کاسل میں تیسٹھ سال کی عمر میں ہوا، تم کو

یاد ہیں؟ کہ تم سٹھ میں مر گئی تھیں اس سے ملنے گئے تھے، اس وقت اس کی مان الزبتھ کرکھم فورڈ

ہی ایک طویل بیماری سے اٹھی تھی، اور تمہاری مان اپنی بہن کی عیادت کو گئی تھی، تم کو کھیت کی گرد

گھمایا گیا تھا، اور تم بکری پر چڑھے تھے، فنی نے تم کو گھبون کے ڈھیر پر گر دیا تھا، جو وہاں ملا جا رہا تھا

اور تم کو کٹرڈن نے بڑے زور سے کاٹ لیا تھا، فنی چاہتی ہے کہ تم اپنی مان سے اس کا ذکر کرو،

غالب: ان میں ذکر کروں گا، لیکن کیا یہ مناسب ہے؟

معمول: تم ان کو تو اس معاملہ کی تحقیق کی رغبت تو نہ دلا سکو گے، لیکن تم کو خود تشغی ہو جائیگی کہ تم سے

جو کیا گیا وہ سچ ہے،

غالب: کیا اس کو کوئی پیغام بھی دینا ہے؟



معمول : وہ کہتی ہے کہ میں اپنی صلاحیتوں میں ناقص رہی، میں چاہتی ہوں کہ میں میری اُسے  
دونوں لیکن افسوس کہ اُن کے پاس پہنچ نہیں سکتی،

عالم : کیا وہ یقین دلا سکتی ہو کہ وہ فانی ہے ؟

معمول : وہ اس سے زیادہ ثبوت نہیں دے سکتی البتہ اپنے پاس ڈونگٹن اور اس کی سیڑھی کا  
تصہ پوچھ سکتے ہو،

عالم : میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کیا تصہ ہی بہتر ہے میں پوچھوں گا، کچھ اور کہنا ہے؟ کیا  
وہ خوش ہے ؟

معمول : وہ جس عالم میں ہے اس میں جتنا خوش رہنا چاہئے خوش ہے۔

عالم : اس کو میرا تپہ کس طرح معلوم ہو گیا،

معمول : وہ اتفاقاً گھومتی ہوئی اپنی دوست مسٹر موسز کے پاس گئی وہاں معلوم ہوا کہ اس کے  
ذریعہ پیغام بھیج سکتی ہے اور اب وہ واپس جانا چاہتی ہے،

عالم : کیا میں اس کی مدد کر سکتا ہوں،

معمول : ہاں دعا کرو، اور ہم لوگ سب تمہاری مدد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ تم متحد ہو  
مدد پہنچانے کی کوشش کرو،

عالم : اس سے تمہارا کیا مطلب ہے،

معمول : اس کا یہ مطلب ہے سمجھو جو تمہارے پیغامات پہنچاؤ، اس سے ہمیں بڑی خوشی ہوتی  
ہے، وہ بالادہ برتر تم پر رحم کرے !

اور  
اس کے بعد اسٹنٹن مومرنے اپنی ماں سے یہ واقعات دریافت کئے، تو اس نے تصدیق کی  
اس کو حیرت ہوئی کہ یہ باتیں کیسے یاد رکھیں، وہ تو صرف پانچ برس کا تھا، اسٹنٹن مومرنے اپنی ماں سے

اس روحانی مراسلہ کا ذکر نہیں کیا تھا، اس کے باپ نے بھی تصدیق کی کہ ڈونگٹن میں وہ جس مکان میں  
تھا، اس میں ایک سیڑھی تھی اس مکان دو منزلہ تھا، اوپر کی منزل سے اچھے مناظر نظر آتے ہیں، فنی کھم  
اُن سے ملو گئی اوپر چڑھ رہی تھی کہ بیچ میں پھنس گئی، اس پر بڑی ہنسی ہوئی تھی،

۴۔ ریسرچ سوسائٹی کے ایک ممبر نے ایک مرتبہ رپورٹ کی کہ آئٹ اینی نے جو تصاویر گئی تھی، ایک  
مسٹر پائیر کے مراسلات میں انگلینڈ میں کہا،

”مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ چارلے اس کا بیٹی بیٹا نے چڑیا کھالی، جس سے وہ بیمار ہو گیا،  
اس کے پیٹ میں تکلیف ہو گئی، اور چند دنوں تک بیمار رہا، معلوم نہیں کیسی چڑیا تھی کہ اس کے کھانے  
سے وہ اتنا بیمار ہوا اور بڑی تکلیف اٹھائی، اس سے دریافت کرو، اس واقعہ کی صحت تم کو معلوم ہو  
گئی“

یہ مراسلہ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۹ء کو پہنچا تھا، یہ واقعہ کناڈا کا تھا اس لئے میں نے اپنی چھپری بہن کو  
جوانے بھائی سے ملو کناڈا گئی تھی، لکھا کہ وہ چارلے سے دریافت کرے کہ اُس نے کس کے زمانے  
میں کوئی چڑیا کھائی تھی جس سے اس کو نقصان پہنچا تھا، چونکہ اس استفسار کی کوئی اہمیت نہیں تھی  
اس لئے اس کا جواب دیر سے ستمبر ۱۹۰۰ء میں آیا کہ

ابتداءً دسمبر میں لڑکوں نے جنگی مرغی شکار کی تھی، دو ہفتہ تک وہ مرغی بونسی لٹکی رہی،  
چونکہ شکار بے موسم کیا گیا تھا، اور ان چڑیوں کو مارنے پر جرمانہ ہونا تھا، اس لئے اس کو پوشیدہ رکھنا ضروری  
تھا، کرمس کے چند دن قبل ہم لوگوں نے اس کو کھایا، چارلے نے زیادہ کھالیا، اس کے پہلے ہی اپنی شکار  
کے زمانہ سے اس کی طبیعت کچھ خراب تھی، جس رات کو اس نے چڑیا کھائی تھی، اسی رات کو یاد دوسرے  
دن شہر چلا گیا، جب واپس آیا، تو اس کی صحت زیادہ خراب تھی،

۵۔ ڈاکٹر ہوڈسن بیان کرتے ہیں کہ اُن کے ایک چچا بہت ضعیف تھے، جو لندن میں رہتے تھے  
وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، ڈاکٹر ہوڈسن کے باپ چھوٹے تھے، بار بھائیوں میں میں



زندہ تھے، ایک قضا کر چکے تھے، ڈاکٹر جوڈسن نے اپنے چچا کو روحانی مراسلات سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی، اور ان سے کہا کہ وہ اپنے متوفی بھائی کی کوئی یادگار جو ان کے استعمال میں ہی ہو بھجوا دے۔ ایک دن صبح کی ڈاک سے ایک نہایت کمند اور بوسیدہ سونے کی گھڑی پہنچی جو متوفی چچا لگا یا کرتے تھے اس کی خبر انھوں نے کسی کو نہ ہونے دی، ایک دن جب سنر بائیر عمل کر رہی تھیں تو وہ گھڑی ان کے ہاتھ میں دیدی، سنر بائیر فوراً بول اٹھیں کہ یہ ان کے متوفی چچا کی گھڑی ہے، جو گر کر مر گئے تھے، وہ اپنے بھائی روبرٹ (Robert) سے بہت زیادہ مانوس تھے، اس لئے مرنے کے بعد ان سے مراسلہ کرنے کے لئے بہت بچپن تھے، مگر نام معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوئی آخر میں بڑی مشکل سے ڈاکٹر فیوٹ نے اس کو جری سمجھا، جو جرمیا (نام ان کا جرمیا تھا) کا مخف تھا، بڑوں کا واقعہ تھا جس ڈاکٹر کی ڈاکٹر جوڈسن کہتے ہیں کہ میں نے ذمہ ذمہ مراسلہ بڑھایا، میری خواہش تھی کہ ان سے ابے جوڑے چھوٹے واقعات کے متعلق دریافت کیا جائے جس کی ان کے بھائی سے تصدیق کیا سکے، چنانچہ بعد کو ان کے چچا جیری کی روح نے متفرق واقعات مثلاً جھیل میں سب لوگوں کا مل کر تیرنا اور ڈوب جانے کا خطرہ آسمتھ کے میدان میں بی بی کو مارنا، چھوٹی سنی رافٹل پانا، سانپ کے چڑے، جیسا ایک جڑا لٹا وغیرہ بیان کئے جنکی تصدیق دوسرے رائج سے ہو گئی،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں رپورٹ میں ہیں، جسکی تصدیق اسکے مطالعہ سے ہو سکتی ہے۔ دوسرے حاضر کے ان روحانی مراسلات میں مسلمانوں کے لئے کوئی حیرت کی بات نہیں، کیونکہ اسلام نے روح کے مستقل وجود کے متعلق صراحت کے ساتھ بتایا ہے، کہ جسمانی موت کے بعد روحیں موجود رہتی ہیں، اور ان کے مقامات علیین اور سفلیین ہیں، اور اسلامی تاریخ میں اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں،

اسلام کے مشہور مفسر امام غزالی نے جن کو یورپ میں الغزل کہتے ہیں، اپنی مشہور کتاب حیا العلوم

میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت کی خبر سے بہت پہلے ایک دن مکہ میں فرمایا، انا لله وانا الیہ راجعون خدا کی قسم حسینؑ شہید ہو گئے، لوگ اس خبر سے متحیر ہوئے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک شیشی خون سے بھری لئے ہوئے فرار سے ہیں، میری امت نے میرے بچے کو مار ڈالا، یہ اس کا اور اس کے رفیقوں کا خون ہے، میں اس کو خدا کے پاس لیجاؤں، اس واقعہ کے چوبیس دن کے بعد حادثہ کر بلا کی خبر پہنچی، اور معلوم ہوا کہ جس دن حضرت عبداللہؓ نے یہ خواب دیکھا تھا، اسی دن حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوئی تھی، یہ واقعہ چند دوسری کتابوں میں بھی درج ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روحیں موجود ہیں، جو حالات دنیا سے واقف ہوتی ہیں،

ابن عساکر نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے صاحبزادے عبدالعزیز نے اپنے بزرگوں کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا کہ آپ کا کون سا عمل زیادہ کام آیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کہ تو بلا کمالاتی، ابن عابد دینار اور ابن جوزی نے صعب بن جاسم اور عوف بن مالک کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے، اور آپس میں یہ وعدہ کیا تھا کہ جو شخص پہلے مرے گا وہ زندہ بھائی کو عالم بالا کے حالات سے آگاہ کرے گا، صعب کا انتقال پہلے ہوا عوف نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا مرنے کے بعد کیسی گزری، کہا مشکل سے نجات حاصل ہوئی، عوف نے صعب کی گردن پر ایک سیاہ نشان دیکھا دریافت کیا یہ کیا ہے؟ صعب نے کہا کہ یہ ایک یہودی کے قرض کی وجہ سے ہے، جواب تک میرے ذمہ واجب الادا ہے، پھر کہا کہ میرے ترکش میں ایک بٹوا ہے، اس میں کچھ نقد ہے، اس سے یہودی کا قرض ادا کر دو، یہ بھی کہا کہ مجھے اپنے گھر کے سب واقعات معلوم ہیں، ایک بی مرگئی ہے، چھ دنوں میں اس کی لڑکی مرنے والی ہے، اس خواب کے بعد عوف صعب کے گھر گئے، اور بٹوا ڈھوڑا، اس میں آٹم ملی جس سے یہودی کا قرض ادا کیا، بی کے مرنے کا حال بھی معلوم ہوا، اس کی بھتیجی بنار میں مبتلا



جو ٹھیک چھتے دن مر گئی۔

حاکم بھی اور ابن عساکر غیر نے مصعب بن مصعب سے روایت کی ہے کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فیلہ چارم کے ساتھ ایک قبرستان میں داخل ہوا، آپ نے فرمایا، السلام علیکم یا اهل القبور، اڑ پھا کیا آپ لوگ کچھ اپنا حال بتائیں گے، اور مجھ سے کچھ سنیں گے، مصعب کہتے ہیں، میں نے آواز سنی، وعلیکم السلام یا امیر المؤمنین آپ فرمیں کہ ہمارے بعد کیا واقعات ہوئے حضرت علی نے فرمایا کہ تمھاری بیویوں نے دوسری شادیاں کر لی ہیں، تمھاری معیشتیں تقسیم ہو گئیں، تمھاری اولاد قیم ہو گئی، ہمارے گھر جن کو تم نے مستحکم بنایا تھا، تمھارے دشمن کے قبضہ میں آ گئے، یہ خبریں یہاں کی ہیں، اب تم اپنی کموں، روح نے جواب دیا کہ ہمارے لباس بوسیدہ ہو گئے، بال بکھر گئے، چہرے بدل گئے، لیکن گلوں پر بہہ آئیں، ریم تھنوں سے جاری ہے، ہم نے یہاں وہ پایا جو بھیجا تھا، اور وہ کھویا جو چھوڑا تھا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب انفاس العارفین میں اپنے والد بزرگوار کے قصوں کے ساتھ واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں مرزا محمد زاہد ساکن ہرات کے یہاں سے جو ہم لوگوں کو اکبر آباد میں پڑھاتے تھے، واپسی میں ایک پتلی گلی سے گزر رہا تھا، سناٹے کا عالم تھا، میں آہستہ آہستہ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قطع کے مصرعے گنگنا رہا تھا،

گر جز بیا د حق مکنی عسر ضائع است  
در ہر حدیث یار بخوانی بطلالت است

سعدی بشو بروج دلت نقش غیر حق

چوتھا مصرع ذہن سے اتر گیا، بہت کوشش کی، مگر یاد نہ آیا، جس سے انھیں سی پیدا ہو گئی، لپکا دیکھا کہ ایک بزرگ جن کا چہرہ سانولا، اور بال بالکل سفید اور نقشہ خوبصورت تھا، میرے پاس سے گزرے اور فرمایا

تھے کہ رہ بخت نہ نماید جہالت است

میں بہت خوش ہوا اور کہا جزاک اللہ خیراً، اور ایک بڑا پان کا بڑھایا اس کے لینے سے انھوں نے انکار کیا، اور روانہ ہو گئے، جب وہ دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے، تو میں سمجھا کہ یہ اس عالم کے آدمی نہیں ہیں اور میں نے جلد ہی پوچھا سر بانی فرما کر اپنا نام بتا دیجیے کہ فاتحہ سے یاد کروں، فرمایا میں فقیر سعدی است یہ لکھ لگا، ہ سے او جھل ہو گئے،

اسی کتاب انفاس العارفین میں درج ہے کہ مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ میرے والد ماجد شاہ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ شہادت کے بعد اکثر میرے سامنے مجسم تشریف لاتے اور مجھے گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سناتے ایک دفعہ میرے بھائی کی لڑائی کریمہ جا رہی تھی اور علالت نے طول پکڑا، ایک دن میں اپنے حجرہ میں تنہا بیٹھا تھا کہ یکایک والد رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہوئے اور فرمایا،

کریمہ کو دیکھنا چاہتا ہوں لیکن اس کے علاوہ اور کوئی عورت نہ ہو، مجھے ان کے

سامنے ہونا برا معلوم ہوتا ہے۔

میں نے ایک پردہ ڈال دیا، دوسری عورتیں پردہ کی آڑ میں ہو گئیں، اور والد صاحب میرے سامنے کریمہ کے پاس تشریف لے گئے، کریمہ بول اٹھی یہ لوگ کہتے تھے یہ مگر یہ تو زندہ ہیں، اے فرمایا بیٹی تم نے بہت مصیبت بھیجی، انشاء اللہ کل صبح تم کو صحت کامل ہو جائیگی، یہ کہہ کر دروازہ کے باہر چل گئے، میں بھی پیچھے چلا، حکم ہوا لوٹ جاؤ، اور نظر سے او جھل ہو گئے، اس کے دوسرے دن صبح کو کریمہ کا انتقال ہو گیا، ایسے بے شمار قصے ہیں جو کہنا ہن میں بھی درج ہیں، اور زندہ لوگوں کے تجربہ میں بھی آتے رہتے ہیں

میں نے خود بارہا ان کا تجربہ کیا ہی، اور بعض لوگوں نے مجھ سے اپنے تجربے بیان کئے ہیں، میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اس طرح کے واقعات ہمیشہ صحیح اور واقعی عالم ارواح کے انکشافات ہوتے ہیں، لیکن بعض صحیح بھی ہوتے ہیں، اس سے اس کا مطلق انکار درست نہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مرنے کے بعد کی زندگی کے قائل ہیں، اور آنے والی زندگی کے خیال سے اعمال میں احتیاط برتتے ہیں کہ ان سے



کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جس سے اس عالم میں رنج و مصیبت کا سامنا کرنا پڑے، یہ مضمون مزید تفصیل کا طالب تھا، مگر میں نے اس سے زیادہ تفصیل میں پڑنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ اس زمانہ میں اس کے خشک موضوع سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی، اگر ناظرین معارف نے اس کو دلچسپی ہو کر پڑھا تو آئندہ وقتاً فوقتاً اس سلسلہ کے لئے جدیدہ اکتشافات پیش کئے جائیں گے،

آخر میں اس کی تصریح کر دینا ضروری ہے کہ ان روحانی اعمال کو نہ علم غیبی کوئی تعلق ہوگا نہ کسی مافوق البشری طاقت سے بلکہ یہ صرف روحانی مشق و ممارست کے کرشمے ہیں جن کو ہر شخص مشق سے حاصل کر سکتا ہے، اور اس سے کسی انسان کو نفع و ضرر نہیں پہنچ سکتا ہے، اور نہ پہنچا یا جاسکتا ہے، علم غیب اور نفع و ضرر صرف خدا کے مطلق کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے اس عمل سے عقیدہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ اسی حیثیت میں روحانی کرشمہ کی ہے جس سے بعض بزرگوں نے روحانی و اخلاقی فائدہ بھی حاصل کئے ہیں، اس سے زیادہ سے زیادہ دوسروں کی رشد و ہدایت کا کام لیا جاسکتا ہے، جیسا کہ بزرگوں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے، باقی ہر طرح کی قدرت صرف خدا کے واحد کے اختیار میں ہے اور اس کے حکم و منشا کے بغیر بڑے سے بڑا روحانی انسان بھی کچھ نہیں کر سکتا،

میں نے یہ مضمون پہلے انگریزی زبان میں لکھا تھا، اس لئے اس کو انگریزی زبان کے ایک مشہور شاعر لائونگ فیلڈ کے مشہور واقعہ پر ختم کرتا ہوں، انھوں نے اپنے مرنے کے بعد فوراً عالم ارواح سے ریسرچ سوسائٹی کے ایک ممبر کو ذیل کا مراسلہ بھیجا،

”میں بہتر مرگ پر تھا کہ بکا ایک میں نے اپنے آپ کو ایک سبزہ زار میں

پایا جس کی فضا بڑی خوشگوار اور جس کا منظر نہایت دلکش تھا، یہ کیونکر ہوا

مجھے معلوم نہیں، مگر میں نے گمان کیا کہ یہ موت ہے، مجھے سترت معلوم ہوئی،

کیونکہ میں اپنے ان دوستوں سے ملنا چاہتا تھا جو مجھ سے قبل اس عالم میں

پہنچ گئے تھے، تھوڑی دیر میں نہایت سرور انگیز آواز میں سنائی دینے لگیں معلوم ہوتا تھا کہ ایک جماعت ایک جھاڑی سے خوشی سے مست کچھ گاتی ہوئی میری طرف بڑھی آرہی ہے، اور مجھے ان الفاظ میں نجات کی مبارک باد دے رہی ہے کہ تم اپنے اس عقیدہ کی بدولت جو حیات بعد الموت کے متعلق رکھتے تھے، اور اس نظم کے صلہ میں جو روح کی دائمی زندگی کے بارے میں لکھی تھی، نجات پا گئے!

## سلسلہ الصحا

### جلد اول خلفاء راشدین

اس میں خلفائے راشدین کے ذاتی حالات و فضائل مذہبی اور سیاسی کا زامون اور فتوحات

کا مفصل بیان، حقیقت :- صبر

### جلد دوم ہاجرین اول

اس میں خلفائے راشدین کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ، اکابر بنی ہاشم و قریش، اور ان صحابہ کے حالات اسوانح اخلاق اور فضائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، شروع میں ایک مفصل مقدمہ میں قریش کی تاریخ اور قبائل ہاجرین کی تفصیل کی گئی ہے اور ہاجرین کے مخصوص فضائل بیان کئے گئے ہیں

قیمت :- صبر

فیہر



## مرزا منظر جان جان کی دونوں

از

از جناب پروفیسر عطار الرحمن صاحب کاکڑی

آزاد نے حضرت مرزا منظر جان جان کو دو رسوم میں رکھا ہے، اور حاتم کو دو رسوم میں لکھا۔ دونوں کا زمانہ ایک ہے، دونوں کی پیدائش ۱۱۱۱ھ میں ہے، حاتم کی وفات بروایت آزاد ۱۲۱۱ھ میں اور بروایت مکتفی ۱۱۹۶ھ میں ہے، منظر کا سال وفات ۱۲۰۵ھ ہے، مگر آزاد نے ۱۲۰۱ھ سمجھا ہے حالانکہ جو قطعہ تاریخ انھوں نے پیش کیا ہے، اس سے بھی ۲۰۵ ہی نکلتا ہے۔

مجید کی تمنا کا بیان بھی گنجلک ہے، وہ تو آزاد کی صدائے بازگشت ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی ۱۲۰۱ھ ہی لکھا ہے، مگر جو قطعہ تاریخ وہ لکھتے ہیں اس سے ۱۲۰۵ھ ہی برآمد ہوتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی نگاہ تعمیر پر نہیں گئی، اس قطعہ میں تو وہ درجے تاریخ نکالی گئی ہے، اس کے لئے دے کے چار عدد جوڑنے ہوں گے، اور دونوں سے غلطی اس بنا پر ہوئی کہ منظر کا سن دونوں نے ۱۱۹۰، ۱۱۹۱ برس قرار دیا ہے، جو محض قیاسی ہے،

حاتم پر گو شاعر تھے، رنجہ میں کافی محنت کی تھی، منظر دراصل خاری گوتھے، اور اسی میں ان کے جو ہر نمایاں ہوئے، مگر کبھی کبھی رنجہ میں بھی طبع آزمائی کر لیتے تھے، مگر ان کا کمال یہ ہے کہ ان کی آغوش زربت میں بڑے بڑے فن کار شاعر پروان چڑھے، حاتم نے اپنے ۴۵ شاگردوں

سے ماش حمید، مات شیدا، آب حیات، ۴۴ و تاریخ سودا، ۱۴۵ ۱۴۶ مرآت الشعراء، ۱۱۶

کا نام گنایا ہے، اس میں سرد فرستودا، بن، مجھے اس کے ماننے میں آئی ہے، اس لئے کہ سودا کا سال ولادت ۱۱۲۵ھ لکھا جاتا ہے، اس حساب سے حاتم سودا سے صرف ۳۴ سال بڑے ہوتے ہیں اور اگر قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کی رو سے سودا کا سال ولادت ۱۱۱۵ھ قرار دیا جائے، تو حاتم سے صرف ۴ سال چھوٹے ہوتے ہیں، اس لئے قرآن سے بعید ہے کہ سودا نے حاتم سے اصلاح لی ہو، منظر کی شاعرانہ صلاحیتوں میں کوئی شک نہیں، حسن دوستی اور ذوق تصوف نے ان کے افکار کو بھی حسین و جمیل بنا دیا تھا، حاتم کے یہاں ان چیزوں کا فقدان ہے، افسوس ہے کہ منظر کا اردو کلام بہت مختصر، ہم تک پہنچا ہے، اور جو کچھ بھی پہنچا ہے، وہ غیر متحقق طور پر ہے، اور صرف مختلف تذکروں میں ان کے اشعار ملتے ہیں، ذیل میں ان کی دو غزلیں درج کی جاتی ہیں، جو عام تذکروں میں بھی باخلاف الفاظ پائی جاتی ہیں، ان میں کچھ اشعار نئے بھی ہیں، ..... کئی اشعار دوسرے شعراء کے اشعار کے ..... سانچہ خط ملتا ہو گئے ہیں، رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۰ء

بن منظر جان جان (جانجانا نہیں) کی دو غزلیں ذکر ہفتہ الشعراء مولفہ افضل بیگ خان اور بگ خان سے نقل کی گئی ہیں، وہ درج ذیل ہیں،

- ۱۔ اس گل کون بھیجا ہے مجھے خالصا کے ہات
- ۲۔ برگِ خاں اور پر لکھو احوال دل مرا
- ۳۔ جلتا ہوں میرزا کی گل دیکھ ہر سحر
- ۴۔ آزاد ہو، ہا ہوں دو عالم کی قید سون
- ۵۔ منظر چپا کے رکھ دوں نازک مرتے تین

- ۱۔ اس واسطے بکا ہوں جن میں ہوا کے ہات
- ۲۔ شاید کبھی تو جا کے لگے دلربا کے ہات
- ۳۔ سودج کے ہاتھ چوری و پنکھا صبا کے ہات
- ۴۔ بنا لگا ہے جبستی مجھ بے نوا کے ہات
- ۵۔ پیشہ بیچا ہے کسی میرزا کے ہات

نکات الشعراء میں میر نے اس غزل کا صرف ایک شعر نمبر ۳ نقل کیا ہے، اور جلتا ہوں کے بجائے مڑتا ہوں، اور چوری کی جگہ چوری ہے میرے خیال میں جلتا ہوں زیادہ مؤثر ہے



یہی صاحب تمنانے مرآۃ الشعراء ص ۱۱۸ میں اور صاحب گل رعنائے ص ۱۳۱ میں یہ غزل نقل کی ہے  
دونوں کے ہاں واو عطف کی جگہ تو ہے، غالباً اس وجہ سے کہ ہندی الفاظ کے ساتھ واو عطف  
جائز نہیں، مگر قدما اس کا خیال نہیں کرتے تھے، ان کے کلام کو چون کا توں رہنے دینے کی  
ضرورت ہے، تاکہ وہ متعلم لسانیات کے لئے مشعل راہ ہو،

شعر نمبر ۱۸ میں بجا ہون کی جگہ مرآۃ الشعراء اور گل رعنائے میں لگا ہون، اور کون کے بجائے کوڑ  
شعر نمبر ۱۹ میں دوسرا مصرعہ دونوں کے یہاں اس طرح ہے،  
ع شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ  
میرے خیال میں میرزا کی جگہ دل رہا ہی درست ہے، مضمون کے لحاظ سے بھی اور اس لئے  
بھی کہ میرزا کا قافیہ شعر نمبر ۱۹ میں موجود ہی ہے،

شعر نمبر ۱۸ میں دوسرا مصرعہ اس طرح ہے،

ع مینا لگا ہے جب سے مجھ مینو کے ہاتھ

جو غیر موزون ہو جاتا ہے اس لئے اس عیب کو مٹانے کے لئے تمنانے لفظ کہ کا اضافہ کر دیا ہے  
میرے خیال میں جب سے کی جگہ جب سے ہی ہوگا، کیونکہ اس وقت کی یہی زبان ہی تھی،

شعر نمبر ۲۰ کا پہلا مصرعہ دونوں کے یہاں اس طرح ہے،

ع منظر چھپا کے رکھ دلِ نازک کو اپنے تو

حال آنکہ منظر نے مرے کے تین ہی لکھا ہوگا، اُن کی زبان سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے اُن کے  
کلام پر اصلاح و بکرم انکو داغ کا چھ کر کیوں بنا دین ایہ ایک اصولی غلطی ہے جس سے اجتناب لازم ہے  
دوسری غزل اورنگ آبادی تذکرہ میں اس طرح ہے

۱۔ چار دیوہا تھ سے بھا لگا ہے دل لے جان جان اپنا ہم اس کو جانتے تھے دوست اپنا مران اپنا

۲۔ یحسرت رہی کس کس مری سون زندگی کرنے

۳۔ جنوں سوں اس قدر روئین کہ رسوا ہو گئیں آخر

۴۔ نفس کے بیچ کیا حسرت تھی بیل کہتی تھی

۵۔ اری شیریں! خدا سوں ڈر خبرے عاشق اپڑ

۶۔ یہ بیل بے اجازت باغبان گل سین ملتی ہو

۷۔ کہیں دیو سوجی کے وصل ہونا بات لگتا ہو

۸۔ مرا جلتا ہوں دل اس بیل بیکس کی غوث

۹۔ یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوئی بیل کہ قسمت

۱۰۔ کوئی آزر دہ کرتا ہی سچن ایسے کون انو عالم

۱۱۔ آبی حیات گل رعنا اور مرآۃ الشعراء میں یہ غزل، شعر کی یکساں ہی انھیں خفیف اختلاف لفظی

ہی مطلع وہ نہیں ہے جو اورنگ آبادی تذکرہ میں ہے، شعر نمبر ۵ و نمبر ۶ و نمبر ۷ و نمبر ۹ بھی ان تذکروں

میں نہیں ہیں مطلع کی بجائے دوسرا مطلع اس طرح ہے،

۱۔ علی اب گل کے ہاتھوں سوٹا کر کاواں بنا

۲۔ نہ چھوڑا ہا ہی بیل نے چمن میں کچھ نشان اپنا

۳۔ شعر نمبر ۱۸ میں آبی حیات اور مرآۃ الشعراء میں کس کس کے بجائے کیا کیا ہو گل رعنائے میں کس کس ہی ہو

۴۔ سون بجائے سے دکتی انداز ہے، اور غالباً کاتب کی اصلاح، دوسرا منظر کی زبان نہیں، دوسرا مصرعہ تینوں

کے یہاں اس طرح ہے ع اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغبان اپنا،

۵۔ شعر نمبر ۱۹ میں ان تذکروں میں اس طرح ہے،

۶۔ الم سے یاں ملک روئین کہ آخر ہو گئیں رسوا

۷۔ مرث گل رعنائے میں ڈوبیا ہے

۸۔ ڈوبایا ہے آنکھوں نے مرثہ کا خانہ ان اپنا

۹۔

۱۰۔

۱۱۔



شعر نمبر بتیوں تذکرہ میں مرا جی جلتا ہی کے بجائے مرا جلتا ہے دل  
شعر نمبر این سخن ایسے کون کی جگہ سخن اپنے کو ہی اور جو کی جگہ کہ ہے

شعر نمبر ۵۵۵ و ۵۵۶ و ۵۵۷ چون کہ ان مذکورہ میں نہیں ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ  
نظر کے بن یا نہیں مگر وہ اس وقت تک نظر ہی کے سمجھے جائیں گے جب تک کوئی دوسرا ان کا  
دعویدار نہ ہو مگر شعر نمبر ۵۵۷ کی ملکیت سو خارج ہونا چاہتا ہے اس لئے کہ تیار علی خان عشی کی تحقیق کے  
سے یہ شعر اندر ام مخلص کا ہے اب تک مخلص کا مرثیہ ایک شعر نکات اشعار کے ذریعہ دستیاب ہو سکا تھا اب  
خدا کے فضل سے وہ ۳۳۵ اور دو اشعار کا مالک ہے عشی صاحب کی تحقیق کی بنا پر مخلص کا مخطوط کلیات رام پر  
کتب خانہ میں محفوظ ہے یہ کلیات خود مخلص کا ملوکہ ہے اور لوہو لہان خود انتخاب میں مخلص کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے کہ رام  
اول فتحہ و لام ثانی ضمہ (یعنی لوہو لہان) عشی صاحب کا یہ قابل قدر مضمون معاصر دور جدید حصہ اول  
(ادارہ ادب پٹنہ) میں شائع ہوا ہے یہ مضمون اس نے اور بھی قابل قدر ہے کہ مخلص کے انتخاب کو اس حصہ  
جو خود اس کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور جو فوٹو کی شکل میں قاضی عبدالودود صاحب کے پاس ہے اشعار رنجیہ کا مقابلہ کرنا  
گیا ہے اس نے شعر نمبر کے متعلق یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ مخلص کا ہے اس زمین میں مخلص کی پوری  
غزل ہر ناظرین کی جاتی ہے

کر بن گے فضل گل دھوم اٹا ہے باغبان اپنا	قدیمی صاحب اپنا شفق اپنا مہربان اپنا
خدا سے تک تو ڈر شیریں خبرے اس بچار کی	کیا فرما دے تیشے سے سر لوہو لہان اپنا
ہوا کی کچھ طرح ہے اور گل نے زنگ بدلا ہے	اٹھائے اس چمن سے عندلیب اب آشیان اپنا
پھل چھوڑ دے مندی کا دھوان اس کے داغ اٹھ	دکھایا چاہو لالہ کون داغِ خوشچکان اپنا

غزلان پیچھے چر چاہے تری فرکان دابر و کا  
ہیں بھی تک دکھایا میاں ترکش کمان اپنا

## مطبوعاتِ تبرہ

فلسفہ کیا ہے؟ از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب مدرسہ شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ قیصر پورہ  
تخلیقات ۴۸ صفحہ کاغذ کثافت و طباعت بہتر قیمت مجلد عام غیر مجلد عام ۲ روپے ۱۰ پینس  
یا دار جامع مسجد دہلی

عام طور سے فلسفہ اور مذہب میں تضاد سمجھا جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے تضاد فلسفہ کے ناقص مطالعہ  
کا نتیجہ ہے ورنہ دونوں کی غرض و غایت قریب قریب یکساں ہے یعنی اسرار کائنات کی نقاب کشائی  
ناش حقیقت اور ایک بلند و برتر زندگی کی تعمیر و تشکیل فرق یہ ہے کہ فلسفہ عقلی فکر و نظر کے ذریعہ مقصد  
پہل کرنا چاہتا ہے اور مذہب نور ہدایت کے ذریعہ مگر عقلی فکر و نظر کی رسانی صرف عالم شہود یا عالم  
آب و گل تک محدود ہے اس لئے وہ اکثر اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور حقیقت اس سے ماوراء ہے  
اور نور ہدایت غیب شہود و دونوں عالموں کا محرم ہے اس لئے وہ حقیقت کا مشاہدہ بے نقاب کرتا ہے  
اقبال نے اسی فرق کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے

عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب

فاضل مصنف نے جن کو عقلی فکر و نظر اور نور ہدایت دونوں سے حصہ ملا ہے اس کتاب میں  
فلسفہ کی حقیقت اس کی غرض و غایت اس کے فکر و نظر کے طریقوں مذہب فلسفہ اور سائنس کے  
فرق ان کے حدود فلسفہ کے فوائد اس کے اختلافات و پیچیدگیوں اور اس کے مطالعہ کی ضرورت



وغیرہ کے بارہ میں قدیم فلاسفہ یونان سے لیکر موجودہ دور تک کے اساطین فلسفہ تک کے خیالات و نظریوں کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ تحریر کیا ہے جس سے فلسفہ کی حقیقت اور اس کی فہم تاریخ سامنے آجاتی ہے اور فلسفہ اور مذہب میں تضاد کے نظریہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے، اگرچہ یہ موضوع بہت دقیق ہے لیکن مصنف کا بیان اتنا سلیجھا ہوا ہے کہ ان مباحث کو سمجھنے میں کوئی وقت نہیں چلتی۔ یہ کتاب اصحابِ علم و نظر کے مطالعہ کے لائق ہے۔

ادبی و قومی تذکرے از جناب پنڈت کشن پرشاد صاحب کول تقطیع ادب و فنیات

۲۹۶ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے پتہ:۔ انجمن ترقی اردو دہلی گڑھ۔

یہ کتاب اردو زبان کے کتبہ مشق ادیب پنڈت کشن پرشاد کول کے ادبی و قومی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس میں سات ادبی مضامین ہیں: ہندوئی اور دیا ہندوستانی، نیا ادب، دیر و حرم کے قصے، اکبر آبادی اور ان کی شاعری، ہمارا پرانا اور نیا کلچر، لکھنؤ کا ایک لطیفہ، آبی اور ایلوسی کے خطوط، اور سات قومی مشق ہیں، ہمارا دیویوشنری کے روپ میں راجہ رام موہن رائے اور برہم سماج، سوامی دیانند، سرسوتی، آریہ سماج، رشی رانا ڈے اور سوشل کانفرنس، سرسید احمد خان اور مسلم ایجوکیشن، کانفرنس، لنگا پرنس، دہلی و دنیا، لکھنؤ، دیوانی دیوانی ہو رہی ہے، پنڈت جی اس دور کی پیداوار ہیں، جب پرانی تہذیب کی بساط الٹ رہی تھی، نئی تہذیب اس کی جگہ لے رہی تھی، اس نے ان کی ذات و دونوں کا شکم چڑھ دیا، انچر آداب و اخلاق میں برائی مشترک تہذیب کا نمونہ اور زبان و ادب اور قومیات و سیاسیات وغیرہ میں ترقی پسند رجحانات، اصلاحی خیالات کے حامی و مبلغ ہیں، ان کے مضامین اور تحریریں میں بھی یہی خصوصیات نمایاں ہیں ہندی یا ہندوستانی ہندوستانی زبان کے کتوشن کا خطبہ استقبال ہے جس میں اس مسئلہ پر مقررہ نگاہ ڈالی گئی ہے، نیا ادب اعتدال کے ساتھ جدید ادبی رجحان کا آئینہ دار ہے، دیر و حرم کے قصے، لکھنؤ کا ایک لطیفہ، اور ہمارا پرانا اور نیا کلچر میں ہماری مشترک قدیم تہذیب کے نہایت دلکش

مربعہ میں، قومی مضامین میں مذکورہ بالا کا برکے سوانح کے ساتھ ان کے قومی سیاسی اور اخلاقی کا زمانہ کی تفصیل بھی تحریر کی گئی ہے جس سے ہندوستان کی اصلاحی تحریکوں کی مختصر سرگزشت سامنے آجاتی ہے اس لئے یہ مجموعہ قومی اور ادبی و دونوں حیثیتوں سے مطالعہ کے لائق ہے۔

رخت سفر مرتبہ جناب محمد انور خاٹ بیٹے تقطیع بڑی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت

و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے، پتہ: آج کلینی میڈیا، جند روڈ، کراچی دریلو سے روڈ لاہور۔

ہر صاحبِ فکر اور صاحبِ قلم کے خیالات اور طرزِ تحریر میں خواہ وہ شاعر ہو یا نثر نگار عمر و تجربہ میں اضافہ کے ساتھ بغیر ترقی بالکل فطری ہے، اور سوخ و خشکی کی منزل پر پہنچنے کے بعد تقریباً ہر صاحبِ قلم کو اپنا ابتدائی دور کے بہت سے خیالات اور تحریریں قابلِ اصلاح نظر آتی ہیں، اسی لئے پرانے اصحابِ قلم کا طریقہ تھا کہ وہ صرف دو برس کے نتائج کو صاحبِ نظر کے سامنے لاتے تھے، جس کا نمونہ دیوان غالب ہے، جس کا انتخاب خود غالب نے کیا تھا، اس کا اندازہ غالب کے مشہور و متداول دیوان اور نسخہ حمید کے موازنہ سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کا کتنا حصہ چھانٹ دیا تھا، اس اصول کے مطابق سر محمد اقبال مرحوم نے بھی اپنے ابتدائی دور کے کلام کا معتد بہ حصہ خارج کر دیا تھا، اور باقی میں صرف منتخب اصلاح شدہ اور معیارِ نئی نظمیں شامل کی تھیں لیکن ان کے ابتدائی دور کی بہت سی نظمیں اور غزلیں وغیرہ اردو کے پرانے رسالوں میں محفوظ ہیں، اب اقبال مرحوم کے قلم سے نکلے ہوئے ہر شو کی حیثیت تبرک کی ہو گئی ہے، اس لئے جناب انور خاٹ نے ان کی ان منظومات کو جن کو انھوں نے خارج کر دیا تھا، یا ان کی پرانی شکل حک و اصلاح سے بالکل بدل دی تھی، تلاش کر کے رخت سفر کے نام سے مرتب کیا ہے، اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکم الشعراء نے نہ صرف متفرق اشعار بلکہ بعض پوری کی پوری نظمیں اور غزلیں تک نکال دی تھیں، اور ایسے اشعار تو بہت ہیں، جن کی پرانی شکل بالکل بدل گئی ہے، اس سے ان کے کلام کی تدریجی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ



